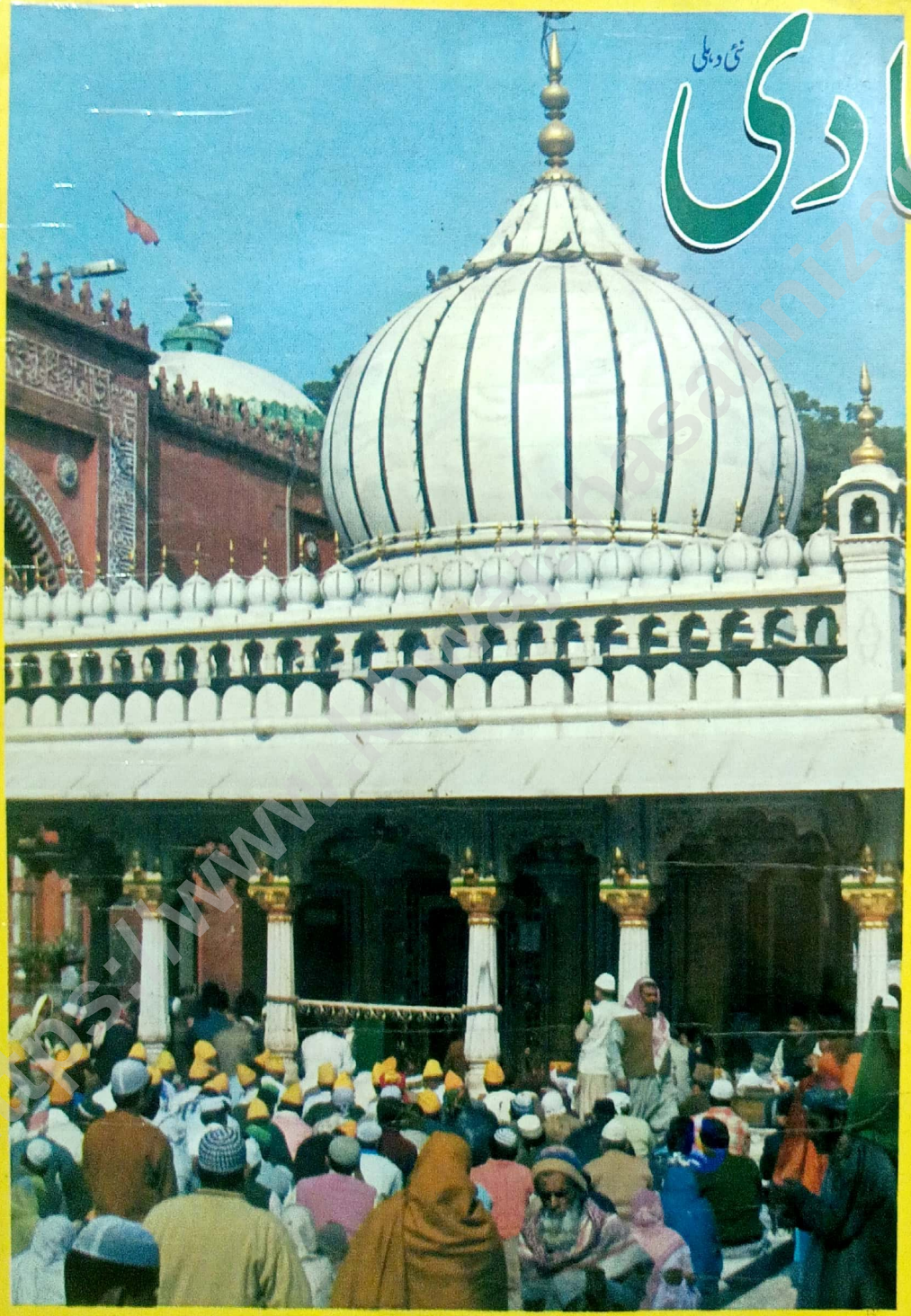
Rs. 50/-

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا

ماہنامہ

مُنادی

نئی دہلی



درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، دہلی

© https://www.dargahnizamuddin.life



آستانہ عالیہ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ مرید حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف

(دائیں طرف مزار) حضرت سیدہ محمودہ خواجہ بانو نظامی اہلیہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ (بائیں طرف مزار) حضرت سید صادق شہیدؒ۔ تشریف فرما حضرت شمشاد نظامی خلیفہ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی حیدر آباد

© https://www.khwajahasannizami.life

مدیر

خواجہ حسن ثانی نظامی

مدیران

خواجہ سید نوید پاشا نظامی

خواجہ سید محمد نظامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ سے

ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ ۸۶ ویں جلد (اپریل ۲۰۱۲ء) کا چوتھا شمارہ ہے

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط و کتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاء

نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

تحریری معاون قدیم

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

عالی جناب ریحان احمد عباسی

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ: "کوئی چیز جو حلال ہے، اگر وہ خدا کی مانع اور قاطع سلوک نہیں، اور نہ مشروع و حلال نہ ہوتی — اور فرمایا — ترک دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کر دے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، صحیح معنی میں ترک دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور جو کچھ میسر آئے، اس کو استعمال کرے، لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں، یہی ترک دنیا ہے۔"

فہرست

منی مہینے کی دو دو مبارکبادیاں	۲	خواجہ سید محمد نظامی
ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ اور اس کے اکابر شیوخ	۶	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
چشتیہ سلسلہ کی تعلیم اور اس کی ترویج و اشاعت میں حضرت گیسو درازؒ کا حصہ	۱۸	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ
سلطان المشائخ کے مجاہدوں اور طور طریق	۲۶	حضرت سید محمد مبارک علوی کرمانیؒ

□□□

سالانہ قیمت

ہندوستان میں

ایک سو روپے

غیر ممالک سے

پندرہ ڈالر

فی پرچہ

دس روپے

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے، ایم آر پرنٹرس، گلی گڑھیا کوچہ چیلان، دہلی ۲ میں چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۳ سے شائع کیا

© https://www.khwajagaribnawaz.net/life

مئی مہینے کی دو دو مبارکبادیاں

خواجہ سید محمد نظامی

زیرِ نظر 'منادی' ۸۶ ویں جلد کا چوتھا شمارہ ہے۔ یعنی منادی اپنی اشاعت کے ۸۵ سال پورے کرنے کے بعد ۸۶ ویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ اتنی طویل مدت تک کسی رسالے کا جاری رہنا کوئی عام یا معمولی بات نہیں ہے۔ عام اس لیے بھی کہہ رہے ہیں کہ اس جیسی مثال شاید ہی پورے برصغیر، بلکہ پورے براعظم میں کسی اور رسالے کے نام کی پیش کی جاسکے۔ یہ سمجھیے کہ ایک نسل نے پودا لگایا، دوسری نسل پوری تندہی سے بدستور آبیاری میں مصروف ہے، اور تیسری نسل نے بھی کافی دنوں سے معاون کی صورت میں دوسری نسل کا ہاتھ بٹانا شروع کر رکھا ہے۔ دراصل یہ تعریف منادی کے حل وعقد کی نیک نیتی کی دلیل تو ہے ہی، ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں قارئین منادی کی پسند اور دلچسپی کا بھی بڑا دخل ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ پیڑھی در پیڑھی بڑھتی ہی جارہی ہے۔

منادی کا گذشتہ شمارہ 'منادی عرس نمبر' کی صورت میں شائع ہوا تھا۔ ہر جگہ اس شمارے کی پذیرائی ہوئی، تعریفی خطوط، ای میل، ٹیلی فون اور ملاقاتوں کے ذریعے اس کی تعریف کا سلسلہ برابر جاری ہے، جس سے کارکنان منادی کا حوصلہ بڑھا ہے۔

منادی کے مارچ ۲۰۱۲ء کے شمارے میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے شایان شان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا جو مضمون شائع ہوا تھا، قارئین نے اُسے بہت پسند کیا۔

منادی ہر مہینے کی آخری دو تاریخوں میں پوسٹ ہوا کرتا ہے۔ اپریل مہینے کا زیرِ نظر شمارہ بھی ۲۹۔۳۰ر اپریل کو پوسٹ ہو کر انشاء اللہ مئی کی شروع تاریخوں میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

اسی مہینے کی ۲۸ (۶ ر رجب المرجب) وہ اہم تاریخ ہے، جس میں نائب رسول فی الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ۸۰۶ واں عرس مبارک منعقد ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس بار بھی ایک معرکۃ الآرا، مختصر، جامع مضمون خواجہ بزرگ کی شان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ہی شائع کیا جارہا ہے، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت غریب نوازؒ کو مسلمانوں کے ہر مسلک اور ہر طبقے میں کتنی عزت واحترام حاصل ہے اور جب بھی اور جہاں کہیں بھی آپ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے، زبان ہو یا قلم، آپ کی شان میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔

مئی مہینے کی ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ ہے، مجھ جیسے ہزاروں ہزار پیر بھائی بہنوں کے پیر حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی کی ولادت باسعادت، جس کی خوشخبری پیدائش سے کئی ماہ پہلے حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے بشارت کے ذریعے دادی ماں کو دے دی تھی۔ یہ بات ۱۹۳۱ء کی ہے۔

میں اس تاریخ کی تفصیل میں جانے سے پہلے اس مستند ذرائع کی طرف آتا ہوں جو **''شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ سید حسن نظامیؒ کا تاریخی روزنامچہ ۱۹۳۱ء''** نام سے گذشتہ مہینے ایک ایسی کتاب کی صورت میں شائع ہوئی ہے، جس کا ایک ایک حرف نہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے، بلکہ اتنا دلچسپ بھی ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہے، اور اس کے مطالعے سے ہر بار ایک نیا لطف و سرور حاصل ہو۔ مذکورہ تاریخی روزنامچہ ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مجلد کتاب ہے، اور اس میں یکم جنوری

۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹ر مئی ۱۹۳۱ء تک کی آپ بیتیوں کی تفصیل درج ہے۔ اس کتاب کے اندراجات کو من وعن پیش کرنا عملاً ممکن نہیں ہے، اس لیے یہاں اس کی اشاعت کے سلسلے میں خود خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے کتاب کے شروع میں جو "گزارشات" کی ہیں، وہ، اور ساتھ ہی اُن اہم تاریخی رودادوں کو ہی پیش کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے، جس سے حضرت حسن ثانی نظامی کی ولادت کے بارے میں پیشین گوئی، صحیح تاریخِ پیدائش اور بعد میں نام رکھنے کی دلچسپ گھریلو تجاویز ومشوروں پر روشنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے:

گزارشات

یہ گزارشات پیش کرنے والا شمس العلماء، حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا وہ چوتھا بیٹا خواجہ حسن ثانی نظامی (عرف حسن ابو طالب نظامی) ہے، جو اپنے پانچ بھائیوں میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ۱۵ر مئی ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوکر آج تک موجود ہے اور اپنے والد محترم کی بے شمار تحریروں کو شائع کرتا آیا ہے۔ ۱۹۳۱ء کے روز نامچے کو دوبارہ چھاپنے کا شرف حاصل کرتے وقت میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ آزادی کے پچاس سال گذرنے کے بعد شاید صرف اس لیے "دلّی گوَرَو" (فخر دہلی) کے خطاب سے مرکزی حکومت ہندوستان نے مجھے نوازا کہ میں اپنے والدِ محترم کی تحریروں کو چھاپتا آیا تھا اور میری کوشش کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ والد مرحوم کی تصنیفات دوسری زبانوں میں چھپ کر کل جہان کے پاس پہنچ رہی ہیں، اور نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا نے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی اُن بارہ کتابوں میں سے جن میں ۱۸۵۷ء کی تاریخ ہے، پہلی کتاب "بیگمات کے آنسو" کو بھارت ورش کی اُن سب زبانوں میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جو دستور ہند کی منظور شدہ زبانیں ہیں۔ مگر ہندی میں خواجہ صاحب کی ایم اے کے کورس میں رہنے والی کتاب "سی پارۂ دل" اُس بولی اور زبان میں ہے جس پر اردو اور ہندی کی مہر ایک ساتھ لگ سکتی ہے اور لگتی رہی ہے۔

اس تاریخی روز نامچے کی قابلِ ذکر اور قابل احترام خوبی یہ ہے کہ یہ روز نامچہ ٹھیک اسی شکل وصورت میں شائع کیا جارہا ہے، جس شکل وصورت میں یہ اب سے ۸۱ سال قبل شائع ہوا تھا اور جس کے ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اور ایک ایک سطر کو میرے والد، میرے پیر محبوبِ محبوب الٰہی حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی من موہن آنکھوں نے ملاحظہ فرمالیا تھا۔ یہاں تک کہ اس مستند دستاویز کو شائع کرتے وقت کتابوں وغیرہ کے اُن اشتہاروں کو بھی جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے، جو اگرچہ طویل مدت گزر جانے کے بعد اب "آؤٹ آف ڈیٹ" ہوچکے ہیں، لیکن ان میں بھی مصورِ فطرتؒ کے طرزِ نگارش کی جھلک دیکھنے کو ملے گی، جو ایک خاصے کی چیز ہوگی۔

میں پڑھنے والوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے باپ کی اور میری ماں سیدہ محمودہ خواجہ بانو کی اُن سب کتابوں، رسالوں اور میگزینوں کے لیے دعا کریں کہ پروردگار عالم، عام اور خاص سب بھارت واشیوں میں ان کو مقبول بنائے رکھے۔

مخلص

(خواجہ) حسن ثانی نظامی

اب مستند تاریخی روز نامچوں کی جھلک ملاحظہ ہو:

۲۰ر ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ر اپریل ۱۹۳۱ء یوم پنجشنبہ مقام دہلی

چھوٹا ہو تو بڑا دیکھے: مجھے کچھ نہیں معلوم کہ دنیا اتنی ہی بڑی ہے جتنی دکھائی دیتی ہے یا چھوٹی ہے۔ کیونکہ میں جس آنکھ سے اُس کو دیکھتا ہوں اُس کا تل بہت چھوٹا ہے۔ پھر یہ دنیا کو اتنا بڑا کیونکر

دیکھ سکتا ہے۔ آواز غیب نے کہا جو چھوٹا ہوگا یا اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے گا اس کا مشاہدہ بڑا ہو جائے گا۔

میں بڑے بڑے روز نامچے لکھنے سے تھک گیا۔ اخبار روز نامچہ میں گنجائش بھی نہیں رہی، اسی واسطے چھوٹا بن کر مختصر الفاظ میں بڑی بڑی باتوں کو لکھنا چاہتا ہوں تا کہ بڑی آنکھوں کو چھوٹی اور چھوٹی آنکھوں کو بڑی ہو کر نظر آئیں.....

سرگذشت: صبح آٹھ بجے تک کام کیا۔ پھر مسٹر معین الدین حسن بی۔اے دہلوی اور ایک لکھنوی دوست کے ہمراہ میاں سر فضل حسین صاحب کے پاس گیا، وہاں آدھ گھنٹے تک گفتگو کی۔ اس کے بعد مسٹر صالح حیدری سے ملنے گیا.....

.....شام تک کام کرتا رہا مغرب سے پہلے سید صمصام الدین صاحب کے لڑکے کی بسم اللہ خوانی میں گیا۔ مغرب کی نماز ایمان خانے میں پڑھائی۔ غزالی خاں ایک مسلمان کلاتھ مرچنٹ کے ساتھ ملنے آئے۔ ان سے باتیں کیں، پھر سید غلام معین الدین صاحب کے مکان پر ساچق کی رسم میں شریک ہونے گیا۔ گیارہ بجے رات کو واپس آیا۔ بارہ بجے تک مچھروں نے سونے نہ دیا۔ جاگنے سے طبیعت خراب ہوگئی۔

خواجہ بانو کا خواب: آج خواجہ بانو نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی نیاز دلوائی تھی۔ میں نے اس بے وقت نیاز کی وجہ پوچھی۔ اُنھوں نے کہا: ''میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت سید احمد صاحب کرمانی مصاحب خاص حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس گئی ہوں اور اُن سے خدا کا راستہ پوچھتی ہوں۔ اُن کا چھوٹا سا قد ہے اور وہ کہتے ہیں مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں نے خود صادق شہیدؒ سے راستہ پوچھا تھا۔ وہ سامنے ایک بزرگ بیٹھے ہیں، اُن کے پاس جاؤ۔ میں پان اور بتاشے لے کر اُن بزرگ کے پاس گئی۔ وہ دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے۔ میں نے بتاشے قدموں میں رکھ دیے اور اُن کے پاؤں پکڑ لیے۔ زبان سے کچھ نہ کہا، مگر اُن بزرگ نے خود ہی فرمایا: جا تیرے سب کام پورے ہو گئے۔ میں وہاں سے واپس آئی اور تم کو سامنے کھڑا دیکھا اور میں نے اپنا یہ خواب اسی خواب کی حالت میں تم سے بیان کیا۔ تم نے کہا وہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ تھے۔ اس واسطے میں نے آج خواجہ صاحبؒ کی نیاز دلوائی ہے۔'' میں نے کہا تم کو مبارک ہو، یہ خواب بہت اچھا ہے اور اس کے بعد میرے منھ سے یہ الفاظ نکلے 'حسن ثانی، حسن ثانی'۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا نام بچپن میں حسن رکھا گیا تھا۔ بعد میں معین الدین حسن مشہور ہو گیا۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۵ رمئی ۱۹۳۱ء یوم جمعہ مقام دہلی

ذاتی: صبح ساڑھے پانچ بجے حبیب منزل میں بوا کریما نے اطلاع دی، مبارک ہو لڑکا ہوا ہے۔ میں نے ہنس کر کہا روح، خاکی پنجرہ میں قید ہو کر دنیا میں آئی۔ اگر قید مبارکباد کی چیز ہے تو مبارک۔ تھوڑی دیر کے بعد زنانہ میں گیا۔ بچہ کے کان میں اذان اور تکبیر کہی۔ بچہ ماشاء اللہ خوب گورا اور خوب مضبوط اور توانا ہے۔ دونوں بھوؤں کے بیچ میں پدم بھی ہے۔ ماموں زاد بہن نظامی بانو نے پدم چھپانے کے لیے کالا ٹیکا لگا دیا۔ میں نے کہا یہ کیوں؟ کہنے لگیں، نظر کے خیال سے۔ مجھے حضرت یعقوبؑ پیغمبر کا خیال آیا کہ اپنے بارہ بیٹوں کو مصر بھیجا تو فرمایا تھا، سب کے سب ایک دروازہ سے نہ جانا، الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ورنہ نظر لگ جائے گی کہ یعقوبؑ کے بارہ بیٹے ہیں۔ اس قسم کے وہم بہت پرانے ہیں۔ میں ان باتوں کا بہت کم قائل ہوں۔ حور بانو بھی باوجود بیماری کے 'ڈولی' میں بیٹھ کر آئیں اور بھائی کو گود میں لے لیا اور بہن ہونے کا حق مانگا۔ میں نے ایک پیسہ دیا۔ روحہ بھی حور بانو کے ساتھ ہو کر بولی، ہمیشہ روپے دیتے تھے اب کے ایک پیسہ کیوں دیتے ہیں۔ میں نے کہا عورتیں شگون کے لیے ریت بدلا

© https://www.khwajagharibnawaz.com

ہیں اور اُن کے خیال میں یہ شگون کی بات ہے۔ اس واسطے اگر پہلے میں تم لڑکیوں کو روپے دیتا تھا تو اب ایک ایک پیسہ دوں گا۔ حور بانو نے کہا نہیں، ہم تو روپے لیں گے۔ میں نے کہا، دیکھو مجھے وہم آتا ہے۔ خدا رکھے، یہ ساتواں لڑکا ہے۔ یعنی چار لڑکے اور تین لڑکیاں، اس واسطے اس کی خوشی میں چاندی سونا نہیں، بلکہ تانبا خرچ کرنا چاہیے۔ حور بانو نے کہا اس کا نام کیا رکھا جائے گا۔ میں نے کہا دو ہفتہ ہوئے روز نامچہ میں حسن ثانی چھپ چکا ہے۔ یہ سن کر بولی خدا تم کو سلامت رکھے۔ ''حسن ثانی'' نام بدشگونی ہے۔ میں نے کہا حضرت امام حسین کے سب لڑکوں کا نام علی تھا۔ علی اکبر (بڑے علی)، علی اوسط (منجھلے علی)، علی اصغر (چھوٹے علی)، پس میں اگر اپنے لڑکے کا نام اپنے نام پر رکھوں تو بدشگونی نہیں بلکہ خاندانی رسم ہے۔ زید کھڑا ہوا یہ باتیں سنتا تھا۔ اس نے کہا، ٹھہریے ٹھہریے، مجھے ذرا سوچنے دیجیے۔ میں سوچ کر نام بتاؤں گا۔ لیجیے میں نے سوچ لیا۔ اس کا نام چاندی نظامی رکھیے کہ لوگ اس کو روپے دیں گے اور اس کا نام کھلونہ نظامی رکھیے کہ لوگ اس کو کھلونے دیں گے، مگر اصلی نام شیر نظامی ہونا چاہیے۔ اسی وقت درگاہ شریف سے نواب خضر صاحب کا خط آیا کہ بچہ کا نام خواجہ خضر رکھیے۔ حور بانو نے کہا حسن مہدی رکھیے۔ میں نے کہا اس بچہ سے پوچھ لو، جو کچھ وہ کہے، وہی نام رکھ دو۔

تھوڑی دیر میں خاندان کے سب چھوٹے بڑے جمع ہوئے اور درگاہ میں جا کر شکر پر نیاز دی گئی۔ اس کو حصہ چڑھانا کہتے ہیں۔ گویا اس رسم سے آج درگاہ کے حقوق میں اس بچہ کا بھی حصہ ہو گیا۔ نیاز کی شکر سب سے پہلے بچہ کو پلائی جاتی ہے، تاکہ پہلی چیز جو بچہ کے پیٹ میں جائے، وہ نیاز کی چیز ہو۔

تعطیل: نو بجے تک دفتر کے ضروری کام ختم کر کے تعطیل کر دی گئی۔

☆☆☆

نظامی بنسری

نوشتہ مصور فطرت خواجہ حسن نظامیؒ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے ایک ہندو مرید راجکمار ہردیو نامی، جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ احمد ایاز ان کا نام رکھا گیا۔ خواجہ جہاں خطاب ملا۔ سلطان محمد تغلق کے داماد اور ہندوستان کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ انھوں نے اپنے پیر کے ہاں حاضری کی ڈائری چہل روزہ کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۔ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور دیگر تاریخی کتابوں اور ملفوظات سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے سوانح حیات اور تعلیمات کو جمع کر کے اپنی معرکۃ الآراء کتاب نظامی بنسری میں شائع کیا۔ جس نے یہ کتاب ایک دفع پڑھ لی، وہ اس کو بار بار ورد اور وظیفے کی طرح پڑھتا ہے۔ بیمار اس کتاب کو پڑھنے اور سننے سے تندرست ہو جاتے ہیں اور ہر شخص مطالعے کے وقت ایسا محسوس کرتا ہے، گویا وہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی مجلس میں حاضر ہے، اور حضرت کی خصوصی توجہات اس کو حاصل ہیں۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لیے گئے ہیں۔ نیا ایڈیشن تیار ہے۔ ضخامت پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے۔

نیا ایڈیشن ——— قیمت: ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی، خواجہ ہال۔ بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی۔ 110013

ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اُس کے اکابر شیوخ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

عالم اسلام کا نیا روحانی وفکری مرکز: چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہورہا تھا، جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لیے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ وامین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالمِ اسلام پر مور وملخ کی طرح یورش کی۔ ملک کے ملک اُن کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم وتہذیب کے علمبردار اور مدارس وخانقاہوں سے یکسر گلزار ہورہے تھے، بے چراغ ہوگئے۔ شہروں کا امن وسکون، زندگی کا نظم ونسق اور شرفاء کی عزت وناموس خاک میں مل گئے۔ بخارا، سمرقند، رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکز خلافت دارالسلام بغداد اس فتنۂ جہاں سوز کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے عالمِ اسلام کی چولیں ہل گئیں اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری، علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے۔ اس وقت اس پورے عالمِ اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا مُلک تھا، جو اس فتنۂ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پُر جوش ترکی النسل خاندانوں کی حکومت تھی، جو اُن تاتاریوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کرسکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی جوش کی بناء پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ اُن سے فائق تھے۔ تاتاری اور مغل ہندوستان پر بار بار حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہرِ مردانگی دکھائے اور مغلوں کو اس طرح شکستِ فاش دی کہ:

''دراں روز باز مغول را ہوس ہندستان بردلِ سرد شد، ودندانِ طمع کند گشت۔''

(اُس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس سرد ہوگئی، اور اُن کے دندانِ حرص وآز ہمیشہ کے لیے کھٹے ہوگئے)۔

ان خصوصیات کی بناء پر عالمِ اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل ودماغ جو اپنے بدقسمت وطن میں سکون واطمینان سے محروم ہوگئے، ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالسلام کی طرف ہجرت کرآئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان وعراق کی طرف سے بار بار اُمنڈتا رہا اور اُن کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد وقرطبہ بن گئی۔ نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز ویمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف ونجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں، جو فتنۂ تاتار میں ہندوستان ہجرت کرکے آگئے تھے اور ہنگامۂ درس وتدریس اور ارشاد وتلقین گرم کیے ہوئے تھے، نیز جنھوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ

داریاں سنبھال رکھی تھیں، اور ملک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا جوہر شرافت و فضیلت یہیں آ گیا تھا۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالم اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے اور فکرِ اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی ہند کے معمار: اسلامی دنیا کے لیے ہندوستان کی دریافت اور یافت نئی دنیا کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا اور اس برصغیر (ہند) میں جابجا داعیان اسلام کے مراکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں، جیسے:

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام، سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی، اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷) کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آ چکے تھے اور عرصے سے پھل رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ "شکر اللہ مساعیھم" لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کے لیے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمت الٰہی نے چشتی سلسلہ کا انتخاب فرمایا۔

ان اسرار الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائیگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا۔ اپنے دردمند مزاج اور نسبت عشقیہ کی بنا پر بھی، جو سلسلہ چشتیہ کا سرمایہ ہے، اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشق الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم سے محبت و درد، اس زمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق: غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بناء پر قدرتِ الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لیے اس سلسلہ کا انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں:

"وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات رفتہ بود خواجہ او را واقعہ نمودند کہ بہ دگاری وے باید رفت در سن ہفتاد سالگی با درویشے چند متوجہ شد چوں آں جا رسید، بہ نفس مبارک خود با مشرکان و عبدۂ اصنام جہاد کرد۔"

جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف گیا ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی ہوا کہ اس کی مدد کے لیے جائیں، وہ ستر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس جہاد میں شرکت فرمائی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ: لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لیے مقدر تھی، خواجہ محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین چشتی سجزی کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

قدیم مؤرخین (جن میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین جوزجانی بھی شامل ہیں، جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر ہیں) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ، سلطان شہاب الدین غوری کے اس لشکر کے ساتھ تھے، جس نے والی اجمیر رائے پتھورا پرتھوی راج کو شکست دی، اور ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی، اس فتح میں ان کی دعاؤں، توجہات اور روحانیت کا بہت بڑا حصہ تھا۔

بعد کے مؤرخین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان، جو ۶۰۲ھ تک جاری رہے، ابتدائی سنین ہی میں اجمیر میں (جو اس وقت راجپوت طاقت وحکومت اور ہندو مذہب و روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا) قیام اختیار فرمالیا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اور اس کی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ رائے پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہنچائی، حضرت خواجہ نے اس کی سفارش کی، پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ ''یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے، جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔'' حضرت خواجہؒ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دے دیا۔ اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پتھورا نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔

بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہو، اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لیے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے، جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذہب اور فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و اعتماد، ان کے زہد و قربانی اور ان کے درد وسوز سے ہندوستان کے لیے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی، وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کی محافظ و امین بن گئی، اور اس کی فضائیں اذانوں اور دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالم اسلام گوش برآواز ہے۔

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے:

''مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری و بت و بت پرستی بود، و متمردان ہند ہر یکے دعوائے ''انا ربکم الاعلی'' می کردند، خدائے جل وعلا را شریک میگفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ و سرگیں آں را سجدہ می کردند و بظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود، ہمہ غافل از حکم دین و شریعت، ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر، نہ ہرگز کسے دیدہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت۔ از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا در دار کفر مسجد و محراب و منبر است آنجا چہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں، اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر

است وہر کہ ازیں دیار مسلمان شد وتا روز قیامت مسلمان خواہد شد وفرزندان ایشاں تا توالد وتناسل است مسلمان خواہند بود وآں طائفہ را کہ بہ تیغ اسلام از دار حرب در دار اسلام خواہند آورد الی یوم القیامۃ مثوبات آں بارگاہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہ العزیز بمتابعت حضرت او واصل ومتواصل خواہند بود، انشاء اللہ العزیز۔''

''ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر وشرک کی بستی تھی، اہل تمرد ''انا ربکم الاعلیٰ'' کی صدا لگا رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے وگوبر کو سجدہ کرتے تھے، کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے، سب دین وشریعت کے حکم سے غافل، خدا وپیمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدائیں سنی، آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہوگئی، ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے، وہاں مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے۔ جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا، نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی کی روح کو پہنچتا رہیگا۔''

اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا، وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص وعالی ہمت بانیِ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے۔ مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے:

''لا شک بزرگان چشت منبر سرشت را حقی است قدیم بر ولایت ہند۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان سلسلہ چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے:

''بہ ہندوستان بہ یمن قدوم میمنت لزوم طریقۂ اسلام ظاہر گشت وسیاہی کفر وشرک از عرصۂ روزگار بزدود۔''

ہندوستان میں ان کے دم قدم کی برکت سے اسلام کی اشاعت ہوئی، اور کفر کی ظلمت یہاں سے کافور ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہوگیا اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھودی، خواجہ بزرگ نے دہلی میں اپنے جانشین وخلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے، جہاں تبلیغ وارشاد اور تعلیم وتربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کردی، کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج واثرات کا مستند ومعین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا، عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر وعظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان واحسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

''عزلت گزیں باجمیر شد وفراواں چراغ برافروخت، و از دم گرمائے او گروہا گروہا مردم بہرہ برگرفتند۔''

اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے اور اسلام کا چراغ بڑی آب وتاب سے روشن کیا، ان کے انفاس قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد وتلقین، اسلام کی اشاعت اور

داعیانِ اسلام واہل قلوب کی تعلیم وتربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں اس وقت رحلت فرمائی، جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین وتربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد وہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا اور ان کا عقیدت مند حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع واستحکام اور عدل گستری وخلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ: خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبۂ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے تربیت کی، پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے۔ مولانا ابوحفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اُس خضرِ طریقت سے ملاقات وملازمت کا شرف حاصل ہوا جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہنچنا مقدر تھا، اور جس کے ہاتھوں اور جس کی شرکت میں ہندوستان میں اسلام کا ''چشمۂ حیواں'' جاری ہونا تھا، فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تاریخی وبابرکت مسجد میں ممتاز وجلیل القدر علماء وشیوخ کی موجودگی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم وہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز ووسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت مسلمان بادشاہوں کی قدردانی وجوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کو بناء پر علماء وشرفاء واہلِ کمال کا ملجا وماویٰ بن گیا تھا اور عالمِ اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایانِ شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا اور سلطان کی کسی پیشکش (دیہہ وجاگیر) کو قبول نہ فرمایا اور پہلے کیلوکھری میں پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ ودرویشانہ زندگی اختیار کی۔ سلطان برابر عقیدت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہلِ شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰ کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہوگئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لیے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو اُن کے قدیم دوست تھے شکایت کی، حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:

''بابا بختیار ہم یکبار چنیں مشہور شدی کہ خلق از دست تو شکایت کردن گرفت ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا وبنشیں من پیش تو بایستم۔''

بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشہور ہوگئے کہ بندگانِ خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی، یہاں سے چلو اور اجمیر آؤ وہاں قیام اختیار کرو، میں تمہارے سامنے (خادمانہ) کھڑا رہوں گا۔

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہیے جو کمالِ اخلاص وربانیت کو پہنچ چکا تھا، مردانِ راہ وواصلینِ بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت وآزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار وپراگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے، جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل تمہاری قدر ومنزلت اور مقام سے واقف نہیں، تو میں تو واقف ہوں اور یہ کہ یہاں خادم ومخدوم وشیخ ومرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدومانہ رہو گے، میں خادمانہ — خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہیے تھا، عرض کیا:

''مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش مخدوم توانم ایستاد فکیف بنشستیم۔''

مخدوما! میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا بھی اہل نہیں، بیٹھنے کی کیا مجال؟

© https://www.khwajahasanizami.life

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا و بلا تامل تیار ہوگیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہوگیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ اُن کے مرید رشید نے ساری دہلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنالیا ہے۔

"شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردیدازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی سوء افتاد ہمہ اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین دُنبال بر آمدند و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمین بہ تبرک بری داشت ونہایت اضطراب وزاری می نمودند۔"

خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کے ساتھ اجمیر روانہ ہوئے، اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اہل شہر مع سلطان شمس الدین شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہولیے، جہاں خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا، لوگ خاکِ پا کو تبرک بنا کر اُٹھا لیتے تھے، لوگ بڑے بیقرار اور آہ وزاری میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کے لیے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں کے دل کو رنجور و زخمی کرنا جائز نہ تھا۔ مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لے جانے کا ارادہ فسخ کیا اور فرمایا:

"بابا بختیار ہمدریں مقام باش کہ خلائق از بیرون آمدن تو در اضطراب وخراب است روانداریم کہ چندیں دلہا خراب وکباب باشند، بروایں شہر را در پناہ تو گذاشتیم۔"

بابا بختیار! تم یہیں رہو، اس لیے کہ خدا کی اتنی مخلوق تمھارے باہر جانے سے تباہ حال ہے۔ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل دُکھائے اور جلائے جائیں، جاؤ ہم نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دارالحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جارہا تھا، شیخ کا شکریہ ادا کیا، اور خواجہ قطب الدینؒ شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی واپس آکر اور اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا۔ انھوں نے "سرکار دربار" سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا، اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا اصول بنایا، بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنادیا کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور "دربار" سے دور رہ کر اپنا کام کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند و حلقہ بگوش تھے۔

"جملگی عالم از صدور و ائمہ دُعا گوئی روئے نہادند۔"

ساری دنیا اعیان و اکابر دُعا گوئی اور نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دوبار حاضری دیتا اور اخلاص وعقیدت کا اظہار کرتا۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالمِ اسلام کی نئی طاقت اور دعوت وتجدید اسلام کا حیا مرکز تھا اور جہاں عالمِ اسلام کے ممتاز ترین علماء واساتذہ سادات وشرفا اور مشائخ واہلِ سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق وتربیت قلوب اور نئی اُبھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامنِ فقر و استغنا کو ذرّہ برابر آلودہ اور اثر کیے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا اور اس کے لیے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سُبک روی اور سُبک گامی کی ضرورت تھی جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحبؒ نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اِس خدمت کے لیے طویل زمانہ نہیں ملا، اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے، لیکن ان کی ذات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصدِ عالیہ کے لیے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے

ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لیے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لیے محفوظ ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبت الٰہی کی وہ آگ جس کو اُنھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیت خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی، اور جذب الٰہی کا غلبہ ہوا۔

صدائے تیغ تو آمد بزم زندہ دلاں
کدام سر کہ در و ذوق ایں سرود نماند

ایک مرتبہ شیخ علی سکزی کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی، قوال نے شعر پڑھا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خواجہ قطب الدینؒ پر وجد طاری ہو گیا، خانقاہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے، وہی مدہوشی اور تحیّر کا عالم تھا، اُسی شعر کی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی، چار شبانہ روز عالمِ تحیّر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آجاتا، نماز ادا کرتے، پھر اُسی شعر کی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالمِ تحیّر میں چلے جاتے پانچویں رات کو انتقال کیا۔ یہ واقعہ ۶۳۳ھ کا ہے۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عیدگاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر ہوا جہاں کوئی قبر یا آبادی نہ تھی، خواجہؒ وہاں ٹھہر گئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ کسی خادم نے عرض کیا کہ: ''عید کا دن ہے اور خاقت منتظر، آپ نے یہاں کیوں توقف فرمایا؟'' ارشاد ہوا: ''مرا ازیں زمیں بوئے دلہا می آید'' (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے)۔ دوسرے وقت زمین کے مالک کو بُلا کر اپنے صرفِ خاص سے اُس کو خرید فرمایا، اور اُس کو اپنے دفن کے لیے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۱۰۰۹ سے کم نہ تھی، لیکن آپ کی جانشینی اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے کاموں اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے حصّے میں آئی۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ: جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے موسس و بانی ہیں، خواجہ فرید الدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپ ہی کے دو خلفاء سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پران کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا، اور اُن کے خلفاء و اہلِ سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے۔

خم و خمخانہ بامہر و نشان است

حضرت خواجہؒ کا نام مسعود لقب فرید الدین تھا، عام طور پر گنج شکر کے لقب سے مشہور عالم ہیں۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔ جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبۂ کہنوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ صغرسنی میں مُلتان کا سفر کیا (جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی و دینی مرکز تھا) شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب ''النافع'' پڑھی، وہیں ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت ہوئی اور اُن سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدینؒ آپ کے ایسے گرویدہ کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیرباد کہہ کر ہمرکاب ہو جانے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لیے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے،

© https://www.khwajahasanNizami.life

سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا، جو اُن کے ایک خلیفہ (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خلیلی ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے، انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزارِ شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ کی وصیت کے مطابق اُن کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد و شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا، خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی، ملتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخ باہر تشریف لائے، سرہنگا قدموں پر گر گیا، اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں! شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے۔ دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی، آپ نے اُسی وقت اپنے دوستوں نے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا کہ: ''پیرؒ نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے۔ شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔''

ہانسی کا قیام اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہلِ ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہوگئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کہنیوال کا رُک کیا، جو وطن قدیم تھا۔ کہنیوال ملتان سے قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اَب دور دور بلند ہو رہا تھا۔ آپ نے اجودھن کو اپنے قیام کے لیے انتخاب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ: وہاں کے لوگ دیرا عتقاد اور نا آشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے، لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ آفتاب شہرو عظمت نصف النہار پر تھا اور اُس کی شعاعیں دور دور پہنچ رہی تھیں، اور طالبین خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔

ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ پیلو کے پھل اُبال لیے جاتے اور اُن میں کچھ نمک ڈال کر فقراء کو تقسیم کر دیے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کے لیے لقمہ اُٹھایا، فرمایا: اس میں کچھ بے اصولی معلوم ہوتی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ: نمک نہ تھا، ایک دانگ کا نمک قرض لے کے ڈال دیا، فرمایا: تم نے بے اصولی کی، میرے لیے اس کا کھانا روا نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا، کسے باشد اپنا حصہ پاتا۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ: عجب قوت اور عجب طرزِ زندگی تھا، جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں۔ نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آتے۔ مولانا بدر الدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ: میں خادم خاص تھا، جو بات کہنی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے

© https://www.khwajahasanizami.com

کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوج اور ملتان کے سفر میں ہمرکاب تھا، خواجہؒ کی زیارت کے لیے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ: ''ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیراہن کی آستین بالا خانہ سے لٹکا دی، اہلِ لشکر آتے تھے اور اُس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہوگئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ: میرے گرد حلقہ بنالو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہوکر سلام کرکے رخصت ہوجاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فراش حلقہ توڑ کر اندر آگیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا: ''شیخ فریدؒ! تنگ آگئے، اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکر یہ ادا کرو۔'' شیخ نے یہ سُن کر نعرہ مارا اور اُس فراش کو بہت نوازا اور اُس سے معذرت کی۔''

سلطان ناصر الدین نے خود حاضری کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمرکاب تھا، عرض کیا کہ: لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہوجاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت اور ہدیہ وفتوح پیش کروں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر حاضر ہوا اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' غیاث الدین نے کہا کہ: ''یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمانِ سلطانی۔'' شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ: نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کردی۔

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرتؒ کی دُعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا، جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں:

''میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، آپ معذور ہوں گے۔''

حضرت شیخ فرید الدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ اُن کے پورے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، جو سلسلۂ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گذرے ہیں، ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدین شیخ بہاء الدین کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سُلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فرید الدین کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق وشوق درد وعشق اور جذب الٰہی و خدامستی ہے، جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاء الدین علی صابر جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی اور جو اجودھن کی اس دکانِ عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا

© https://www.khwajasamnizami.life

واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ (حضرت خواجہ فرید الدینؒ) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ زکونین توئی
از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے، مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں، آپ ہی کے لیے جیتا ہوں، آپ ہی کے لیے مرتا ہوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے، پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقت خیز بات سُنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی موثر واقعہ سُنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظِ قرآن) کی اپنے خلفائے خاص و مریدانِ بااختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔ سماع کا بڑا ذوق تھا، کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا:

''سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد دیگرے ہنوز در اختلاف است۔''

سبحان اللہ! ایک جلا بھی اور راکھ بھی ہو گیا دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دول و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدر الدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا، اور اُس نے اُن کے لیے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور اُن کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلابِ روزگار سے جب وہ امیر عتابِ شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیرؒ سے دُعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں لکھا ہے:—

''جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا، جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین مین ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لیے خانقاہ بنا کر دُکان جمائیں، اُن کا شیوہ تو گمنام و بے نشانی تھا۔''

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوعِ عام اور امرا و خواص کی عقیدت کے انتقال سے پہلے، پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ:

''حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی، میں ماہِ رمضان میں موجود تھا، اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا۔ کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا نہ کھایا، سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے

تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لیے مجھے ایک سلطانی عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدرالدین اسحٰق کے ذریعہ پیغام پہنچا کہ آج توقف کریں، کل جائیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کرلیا جائے؟ حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دعائیں دیں۔''

''محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہوگئی، ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہوگئے، اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی، اس کے بعد واصل بحق ہوئے۔''

تاریخ وفات ۵/محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے۔ اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے، بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہؒ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں، فرزندوں کے نام یہ ہیں: شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، صاحبزادیوں کے نام: بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمانؒ باپ کے سجادہ پر بیٹھے، اُن کے فرزند وسجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنیؒ تقدس واتقا میں مشہور تھے۔ محمد تغلق بھی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہؒ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصّوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ بدرالدین اسحٰق، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ علی احمد صابرؒ اور شیخ عارفؒ۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمد) خطیب ہانسوی حضرت خواجہؒ کے بڑے عزیز خلیفہ ومعتمد خاص تھے، انھیں کی خاطر حضرت خواجہؒ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا، آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے، تو فرماتے تھے کہ ہانسی جاکر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا، اگر شیخ جمال الدین صاد فرماتے تو آپ بھی اس کو قبول کرتے اگر وہ نامنظور فرماتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے، اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیا نہیں جاسکتا فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا۔ شیخ قطب الدین منور (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

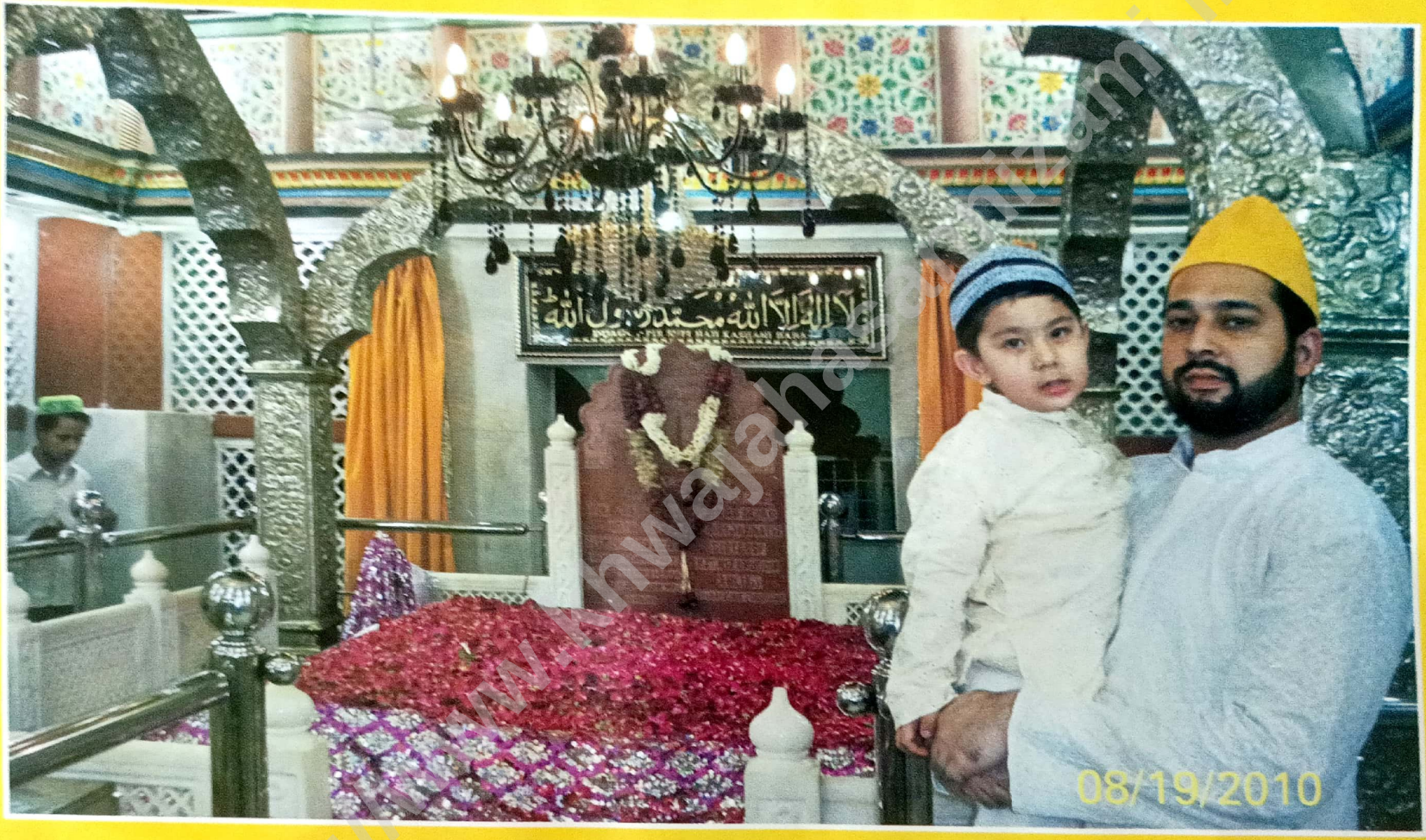
شیخ بدر الدین اسحٰق بن علیؒ ساداتِ بخارا میں سے تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدینؒ کے خلیفہ، خادم اور داماد تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے شیخ کی صحبت وتعلیم کا نمونہ تھے، آنکھیں ہمیشہ پُرآب رہتی تھیں۔ رقت کا بڑا غلبہ تھا، جس سے ضعف بصارت ہوگیا تھا، کسی نے کہا کہ آپ ذرا آنسو روکیں تو میں آپ کے استعمال کے لیے سرمہ بنادوں۔ فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں، اُن کی عبادت وریاضت کو دیکھ کر



مزار مبارک حضرت بی بی زلیخا والدہ ماجدہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (مائی صاحبہ) اور مزار مبارک بی بی زینب ہمشیرہ اور حضرت بی بی رقیہ ہمشیرہ زادی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

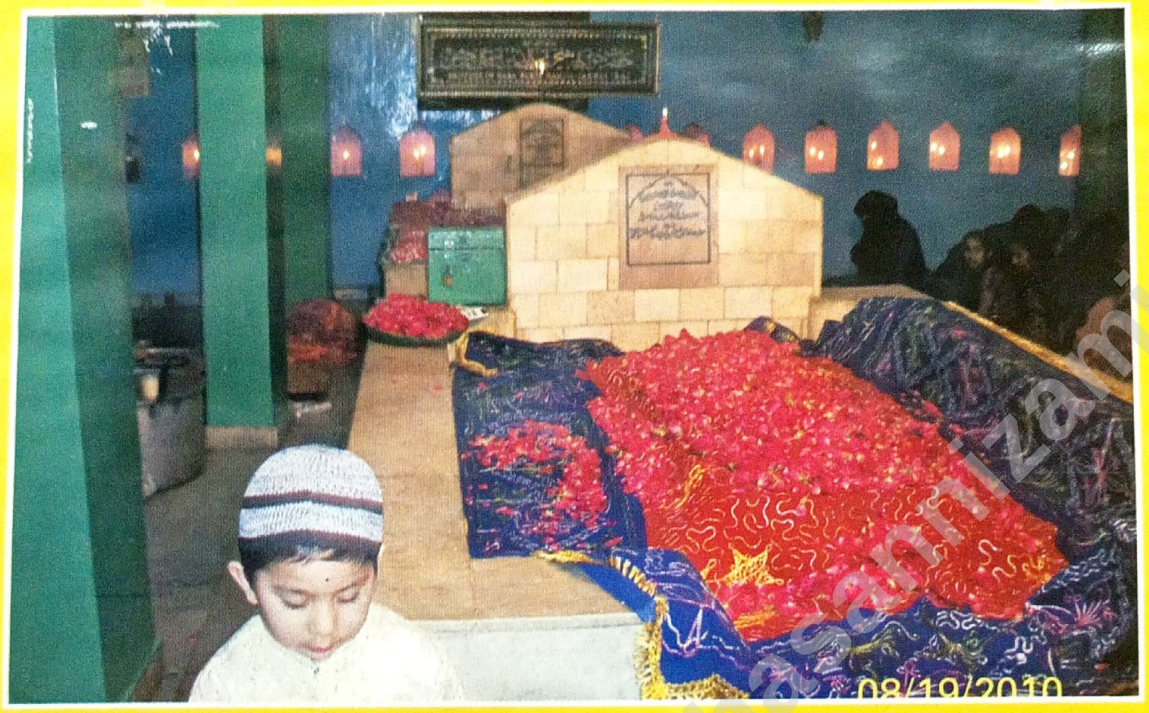
درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں جلالت الملک شاہ فیصل یہ اعلان فرما گئے تھے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا عقیدہ تھا

© https://www.khanqah.org.in/reference-life

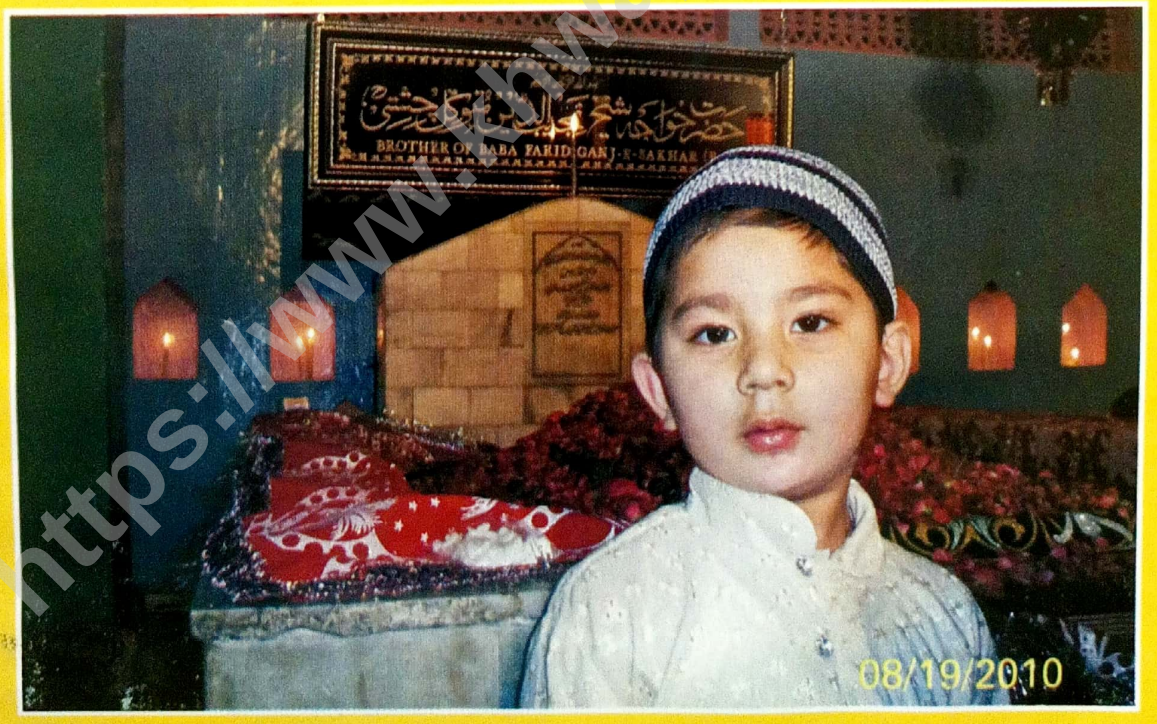


حضرت بی بی زلیخاؒ کے مزارِ مبارک پر سید محمد نظامی اور سید محمد شافی نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



مزار شریف حضرت نجیب الدین متوکل و مزار شریف حضرت بی بی فاطمہ بنت حضرت بابا فریدؒ



حضرت نجیب الدین متوکلؒ کے مزار پر سید محمد شافی نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life

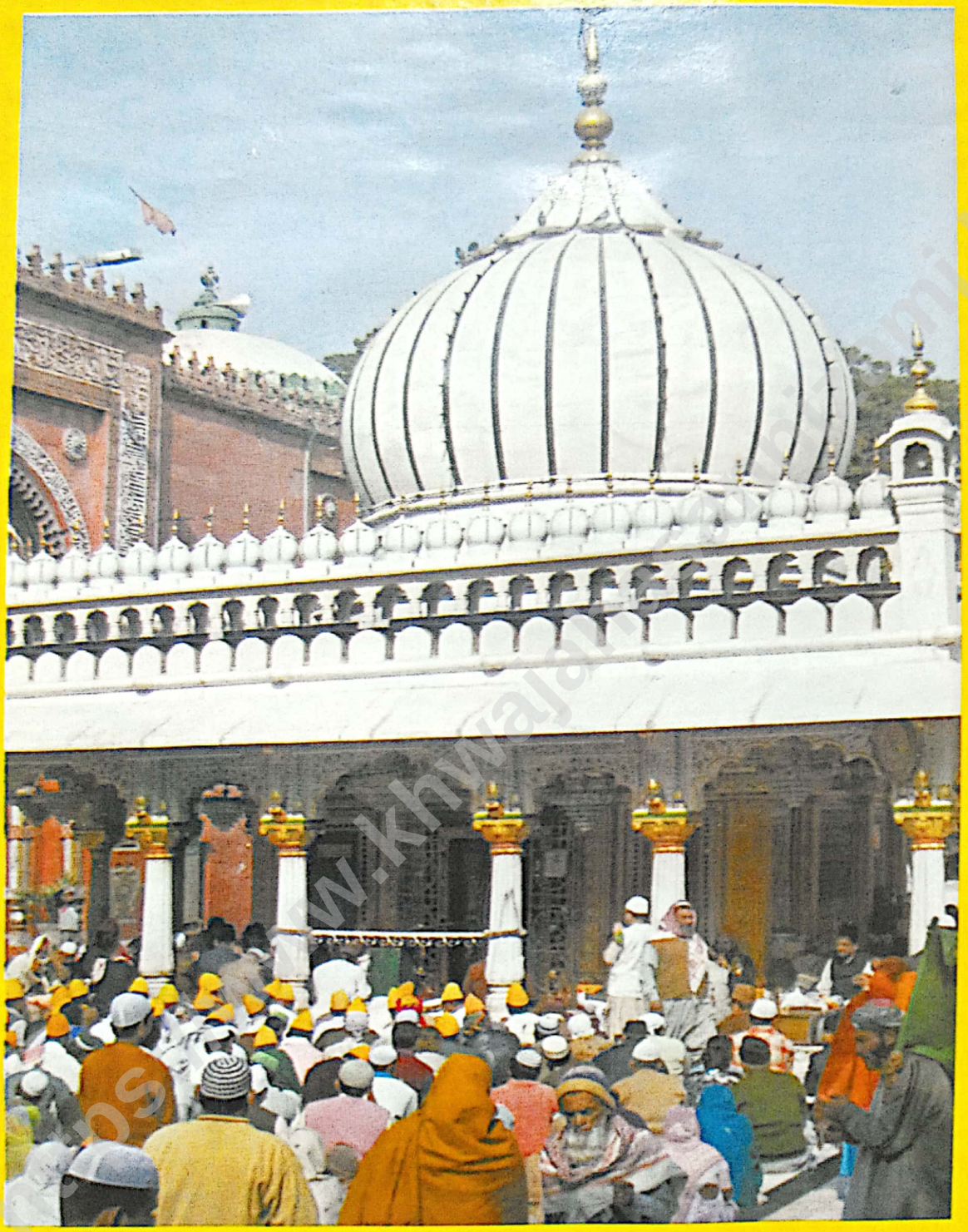


(تصویر میں) مصور فطرت خواجہ حسن نظامی (دائیں سے) سید محمد ثانی نظامی، سید خواجہ حسن ثانی نظامی، فاطمہ زہرا نظامی اور مہدی نظامی
(ساریہ نظامی اور سید عبدالقدوس نظامی صاحب کے صاحبزادے)



عمر سعود خالد - سید زین نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



آستانہ عالیہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی

حاضری غلام محمد معین الحق صاحب گولڑہ شریف

© https://www.khwajahnizamidargah.life



(تصویر) شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ مرید حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف

(بائیں طرف) قبلہ حضرت غلام محمد معین الحق صاحب درگاہ گولڑہ شریف اور خواجہ حسن ثانی نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



(تصویر) شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ مرید حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف
خواجہ حسن ثانی نظامی، حضرت قبلہ غلام محمد معین الحق صاحب درگاہ گولڑہ شریف اور درمیان میں خواجہ سید محمد نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



(تصویر) شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ مرید حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف
(بائیں طرف) قبلہ حضرت غلام محمد معین الحق صاحب درگاہ گولڑہ شریف اور خواجہ حسن ثانی نظامی



(تصویر) شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ مرید حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف
(دائیں طرف سے) خواجہ حسن ثانی نظامی، حضرت قبلہ غلام محمد معین الحق صاحب درگاہ گولڑہ شریف اور خواجہ سید محمد نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



سید علی احمر نظامی سید زین نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



سید محمد شافی نظامی

© https://www.khwajahasannizami.life



مصورِ فطرت حضرت خواجہ سید حسن نظامیؒ کے مزار مبارک پر سید محمد نظامی،
فاطمہ زہرا نظامی، سید محمد شافی نظامی اور سید محمد نظامی کی گود میں سید مہدی نظامی



سید خواجہ مہدی نظامی کے مزار مبارک پر سید محمد نظامی (گود میں سید مہدی نظامی) فاطمہ زہرا نظامی، سید محمد شافی نظامی

© https://www.nizamiasoc.org.in/life



مصطفیٰ (حمیرہ نظامی اور خالد سعود کے صاحبزادے)



عمر سعود اور احمد سعود (حمیرہ نظامی اور سعود خالد کے صاحبزادے)

© https://www.khwajahasannizami.life

شیخ کبیرؒ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے۔ مدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسۂ معزیہ میں درس دیا، تکمیل علم کے لیے بخارا تک کا سفر کیا۔ فارسی و عربی میں بے تکلف و آبدار شعر کہتے تھے۔ مضامین علمیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی۔ صَرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے امام نماز تھے، انھیں کے صاحبزادے تھے۔ ۶ر جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ عارف کو حضرت خواجہؒ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہؒ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کارِ عظیم کا اہل نہیں، مجھے آپ کی دعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آئے۔

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں ان کی نظیر نہ تھی۔ پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہ کر ۱۳ر ربیع الاول ۶۸۹ھ یا ۶۹۰ھ میں وفات پائی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدینؒ پہلے چشتی شیخ ہیں، جن کے اثرات اُن زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنھوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متاثر کیا، اور حکومت سے لے کر عوام و غربا تک کو اپنے حلقۂ عقیدت و اثر میں لیا..... (مولانا علی میاںؒ نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے جامع حالات بیان کیے ہیں، جس کا ایک حصہ ''منادی عرس نمبر'' میں پہلے ہی پیش کیا جا چکا ہے۔)

(ادارہ)

روزنامچہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

ترجمہ ملا واحدی دہلوی

میلاد نامہ اور رسول بیتی

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

اعمال حزب البحر

(حصہ اول و دوم جلد یکجا)

(اعمال حزب البحر کا ہندی ایڈیشن بھی جلد آ رہا ہے)

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

اور دیگر کتب طلب فرمایئے

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال۔ بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

© https://www.khwajahasanizami.life

چشتیہ سلسلہ کی تعلیم اور اس کی ترویج واشاعت میں حضرت گیسودرازؒ کا حصّہ

پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ

عصر حاضر کا ایک مشہور دیدہ ور مؤرخ اور ماہر عمرانیات آرنلڈ ٹائن بی، اپنی کتاب "An Historians approach to religion" (مذہب مؤرخ کی نظر میں) میں لکھتا ہے کہ تاریخ امم نے مذاہب عالم کی افادیت اور اُن کے اثر ونفوذ کے جائزے کے لیے ایک موثر عملی پیمانہ بنالیا ہے، اور وہ ہے مصیبت اور معصیت میں انسان کی دستگیری کی صلاحیت۔ لکھتا ہے:

"All the living religions are going to be put to a searching practical test'by their fruits you shall know them." (Math. vii20) The practical test of a religion, always and everywhere is its success or failure in helping human souls to respond to the challenges of suffering and sin."

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی ساری تعلیم اور اصلاح و تربیت کا پورا نظام، اس عالمی معیار پر نہ صرف پورا اترتا ہے، بلکہ ایک ایسے لائحہ عمل کی نشاندہی بھی کرتا ہے، جس میں انسانیت کی فوز وفلاح کا راز مضمر ہے۔ اس نے اخلاق انسانی کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت کی ہے اور ''آدم گری'' کو اپنی جہد وسعی کا محور بنا کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوارنے کا سلیقہ سکھایا ہے اور کہا ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

اس برصغیر کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں چشتی سلسلہ کا اثر یا اس کے مشائخ نہ پہنچے ہوں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں صوفیہ ومشائخ، مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے قیام کے بعد آنے شروع ہوئے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دہلی، بدایوں، اجمیر، قنوج، بنارس وغیرہ میں مسلمانوں کی نوآبادیاں، ان علاقوں پر حکومت قائم ہونے سے پہلے وجود میں آگئی تھی۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ، پرتھوی راج کے عہد میں اجمیر آکر بس گئے تھے۔ اسی طرح حضرت گیسودرازؒ کے اجداد دہلی میں اس وقت آئے تھے جب شہاب الدین غوری کی فوجیں یہاں نہیں پہنچی تھیں۔ یہ خاموش روحانی اعلان تھا اس بات کا کہ سلسلہ کی نشر واشاعت سلطنت کے سایہ میں نہیں، بلکہ اپنی اخلاقی اور روحانی قوت کی بنا پر ہوگی۔ فقر کی نگہبانی دل دردمند کرے گا اور محبت اقلیم دل کی فتح کرے گی ؎

نہ محتاج سلطان، نہ مرعوب سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

حضرت گیسودرازؒ کو چشتیہ سلسلہ کی تاریخ میں جو عظمت اور اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ عہد جہانگیری کے ایک تذکرہ نویس محمد غوثی شطاری نے لکھا ہے کہ چراغ دہلیؒ کے سلسلہ کو آفتاب کی طرح فروغ ان ہی کی ذات سے ہوا۔ چشتیہ سلسلہ میں ان کا مقام اور ان کے کام کی نوعیت کا اندازہ لگانے کے لیے بعض حقائق پر نظر ہونی ضروری ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ ۱۰۵ سال ـــ چشتی سلسلہ میں کسی دوسرے بزرگ کی اتنی عمر نہیں ہوئی۔ گو

خواجہ قطب صاحبؒ کو چھوڑ کر سب مشائخ کی عمریں طویل ہوئی تھیں۔ کوئی انسانی تحریک وقت کی رفتار پر اپنا نقش نہیں چھوڑ سکتی جب تک اس کے داعی کو کام کرنے کی اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ انسانی زندگیوں کو اپنی تعلیم کے سانچے میں کامیابی کے ساتھ ڈھال سکے۔ یہی سبب تھا کہ ان کے انداز اصلاح و تربیت نے ایک امتیازی رنگ اختیار کرلیا اور شیخ محدثؒ کو لکھنا پڑا کہ

''اور امیان مشائخ چشت مشرب خاص و در بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است'' (اخبار الاخیار)

اس سے مطلب یہ نہ تھا کہ انھوں نے چشتیہ سلسلہ کے بنیادی فکری نظام سے ہٹ کر کوئی روش نکالی تھی، بلکہ اپنے مسلک وروش پر طویل عرصہ تک کام کرتے رہنے کے باعث ان کے نظام میں ایک انفرادی شان پیدا ہوگئی تھی۔

۲۔ حضرت گیسودرازؒ کو ایک ایسے دور میں کام کرنا پڑا تھا جب افکار و نظریات کا زبردست تصادم ملک میں برپا تھا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں امام ابن تیمیہ کے اثرات ہندوستان پہنچے اور تصوف کی پوری تحریک ان کی زد میں آگئی۔ سلطان ان نظریات سے اس قدر متاثر ہوا کہ بھرے دربار میں امام ابن تیمیہ کے نمائندے، مولانا عبدالعزیز اردبیلی کے پیر چوم لیے۔ ان کے نظریات کے زیر اثر اس نے صوفیہ کے خلاف بعض اقدام کیے۔ ان کے لباس پر نکتہ چینی کی، ان کے تصور ولایت کو باطل ٹھہرایا، خانقاہی نظام کو شبہ کی نظر سے دیکھا۔ دہلی کے بہت سے صوفیہ کو جبراً گجرات، دکن، کشمیر بھیج کر سلسلہ کی خانقاہوں کو بے نور و بے چراغ کردیا۔ حضرت گیسودرازؒ کے مرشد حضرت چراغ دہلویؒ نے اپنی خانقاہ میں سلطان کی مداخلت کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا۔ ان کی دینی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جس جگہ، ان کے شیخ ان کو بٹھا گئے ہیں، اس کو سلطان کے کہنے سے چھوڑ دیں۔ سلطان کا غیظ و غضب ایک طرف تھا اور ان کا عزم و استقلال دوسری طرف

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر

کتنے طوفان آئے اور گزر گئے، لیکن ان کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔

ان کے مصائب کا حال جب دکن میں مولانا برہان الدین غریبؒ نے سنا تو اُن پر گریہ طاری ہوگیا۔ اس زمانہ میں حضرت گیسودرازؒ اپنے شیخ کی خدمت میں تھے، اور جب حضرت چراغ دہلویؒ کو محمد بن تغلق نے سندھ طلب کیا تو حضرت گیسودرازؒ ہی کو کچھ ہدایات دے کر وہ رخصت ہوئے۔

حضرت چراغ دہلویؒ نے اس نئے فکری سیلاب کے خلاف بند ھے باندھے اور جہاں ضروری سمجھا، وہاں اصلاح بھی کی۔ انھوں نے یہ اعلان کر کے کہ ؎

مشرب پیر حجت نمی شود
دلیل از کتاب و سنت می باید

تصوف کی تحریک کو ایک ایسی محفوظ سطح پر پہنچا دیا، جہاں کوئی موج حوادث نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان کے معاصرین نے ان میں امام ابو حنیفہؒ کی جلالت علم دیکھی اور ان کی دینی بصیرت کے آگے سر جھکا دیے۔ حضرت گیسودرازؒ پر اپنے شیخ کے جانشین کی حیثیت سے یہ ذمہ داری عائد ہوئی کہ وہ تصوف کی تحریک کی نگہبانی کریں اور چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کو باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں میں روشن رکھیں۔ ''جوامع الکلم'' کا گہری نظر سے مطالعہ اس حقیقت کو پوری طرح واضح کردیتا ہے، اس کی ہر مجلس بدلے ہوئے حالات کے عرفان اور سلسلہ کی بنیادی تعلیم پر محکم یقین کی آئینہ دار ہے۔

۳۔ محمد بن تغلق کے بعد افکار کا یہ تصادم، خیالات کے انتشار میں تبدیل ہوگیا۔ آزادی افکار اور انتشار افکار کے درمیان فاصلہ تو تھوڑا ہی ہے، لیکن مآل اور نتائج کا زبردست فرق ہے۔

یہ دل کی موت! وہ اندیشہ و نظر کا فساد

شاید ہی ہندوستان کی تاریخ میں اتنے مختلف زاویہ ہائے فکر اور مختلف النوع فرقے پیدا ہوئے ہوں، جتنے اس زمانہ میں نمودار ہوئے۔ اس دور کی فضا کا اندازہ فیروز شاہ تغلق کی تصنیف ''فتوحات فیروز شاہی'' سے ہوتا ہے۔ جب فضائیں ''انا الحق'' کی صداؤں سے گونج رہی تھیں، خام کار صوفیہ گمراہی کے نئے نئے دروازے کھول رہے تھے۔ اباحتی نظریات کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی اور پرانا اخلاقی نظام دم توڑنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔ حضرت گیسو درازؒ نے مذہبی فکر کے سارے تار و پود کو شریعت و سنت کے دامن میں سمیٹ لیا اور ایک گرتے ہوئے معاشرہ کو تجدید و احیاء کی راہ دکھائی۔ یہ اُن کی اس کوشش کا نتیجہ تھا کہ اس دور میں ایک فکری تھماؤ کی کیفیت نظر آنے لگی۔ شریعت، طریقت، حقیقت میں جو خلیج پیدا کی جارہی تھی، اس کی انھوں نے شدید مخالفت کی اور خاتمہ میں اعلان کیا کہ جس طرح بادام میں پوست، مغز اور روغن ایک دوسرے سے جدا نہیں، اسی طرح شریعت، طریقت، حقیقت کو بھی جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی ساری علمی کاوشوں اور تذکیر و تلقین کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اس تضاد کو دور کرنا تھا، جس نے فکر کے سوتے مسموم اور عمل کی راہیں پُرخطر کردی تھی۔

۴۔ حضرت گیسو درازؒ سے چشتیہ سلسلہ کی علمی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ان سے پہلے چند اہم کتابیں اصول الطریقہ، ملہمات، تصریف بدری، مخ المعنی، شرح مشارق وغیرہ ضرور لکھی گئی تھیں، لیکن مختلف علوم دینیہ پر باقاعدہ تصانیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، ہر چند کہ متقدمین مشائخ چشت بلند علمی مقام رکھتے تھے اور بہت سے علوم میں ان کی نظر مجتہدانہ تھی۔ خود حضرت محبوب الٰہیؒ کی محدثانہ بصیرت غیر معمولی تھی۔ ان کے مریدوں میں مولانا شمس الدین یحییٰ، مولانا فخر الدین زرادیؒ وغیرہ فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے، لیکن چشتیہ سلسلہ کی تعلیم کو باضابطہ صفحۂ قرطاس پر مستقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ حضرت گیسو درازؒ نے اس مہر خاموشی کو توڑا اور تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، سب موضوعات پر کتابیں لکھیں یا املا کرائیں، اس طرح کہ ان کا سجادہ مشیخت، ''سلطان القلم'' کی مسند بن گیا۔ چشتیہ سلسلہ کی کوئی فکری تاریخ حضرت گیسو درازؒ کی تصانیف کے گہرے مطالعے کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے زمانہ میں تصوف کی بہت سی اہم کتابیں مثلاً قوت القلوب، رسالہ قشیری، مکتوبات عین القضاۃ وغیرہ عام ہوگئی تھیں اور دہلی کے بازاروں میں کثرت سے ملتی تھیں۔ حضرت گیسو درازؒ نے رسالہ قشیری، آداب المریدین، تمہیدات، رسالہ غوث الاعظمؒ وغیرہ کی شرحیں لکھیں۔ ان شرحوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جگہ جگہ مشائخ سلسلہ چشت کی روش، اور ان کے اقوال کو درج کرکے ان صوفی Classics سے ان کی مطابقت ثابت کی گئی ہے۔ غالباً دکن میں اس نوعیت کا کام وقت کا سب سے بڑا تقاضا تھا۔ اس طرح سلسلہ کی تعلیم کی جڑیں گہری اور مضبوط ہوگئیں۔ شیخ برہان الدین غریبؒ کے مرید مولانا حماد بن عماد کاشانی نے احسن الاقوال میں مشائخ کی ''روش'' اور ''برہان''، کو نقل کرکے اس طرح کی کوشش کی تھی، لیکن ان کا کام ایک خاص پس منظر میں اور محدود پیمانہ پر تھا۔ گو اس کے نتائج بھی بہت دور رس ہوئے۔ حضرت گیسو درازؒ نے خاتمہ (ترجمہ آداب المریدین) میں بابا صاحبؒ، محبوب الٰہیؒ، چراغ دہلویؒ کی روش کو جگہ جگہ نقل کیا ہے اور مشاہیر صوفیہ کی تصانیف کو فکری اعتبار سے چشتیہ سلسلہ کی تعلیم کا جزو بنادیا ہے۔ فقہ حنفی کی طرف بھی ان کی توجہ ہوئی اور امام ابوحنیفہؒ کی ''فقہ اکبر'' پر انھوں نے شرح لکھ کر فقہ و تصوف کے درمیان بُعد کو دور کیا اور اپنے شیخ کی روش پر مضبوطی سے کاربند ہوئے۔ مسائل تصوف پر ان کی دو تصانیف ''اسماء الاسرار'' اور ''حظائر القدس'' فکر کی بلندی

میں اپنا جواب نہیں رکھتیں، گو ان میں بعض مباحث اتنے دقیق اور نازک ہیں کہ عام ذہن اُن کو نہیں سمجھ سکتے۔

غلام معین الدین عبداللہ صاحب معارج الولایت، جو دکن کے رہنے والے تھے اور تصوف کے لٹریچر پر خاصی نظر رکھتے تھے، لکھتے ہیں:

''از غلبات شوق سخن را اکثر بے پردہ می گوید، و اسرار دانوار را افشامی نماید۔''

حضرت گیسو درازؒ کو خود اس کا احساس تھا۔ اسرار و معارف پر گفتگو کرتے کرتے بعض اوقات ایک دم چونک اٹھتے ہیں اور بے اختیار زبان پر آجاتا ہے ؎

''محمد حسینی بس کن، چند خود نمائی و چند شیریں سخنی و چرب زبانی'' (اسماء الاسرار، ص ۱۶۲)

انیس العشاق میں فرماتے ہیں—

سید گیسو دراز شد سخن تو بلند کو تہ کنی چوں کسے محرم اسرار نیست۔ (ص ۲۱)

اسرار و معارف پر اس انداز میں گفتگو کا بھی ایک پس منظر تھا۔ وحدت الوجود پر بازار و خانقاہ میں گفتگو ہونے لگی تھی، جن کتابوں کو مشائخ نے عوام کی دسترس سے دور رکھا تھا، اور اگر ان پر حاشیے بھی لکھے تھے تو عربی زبان میں، اس وقت ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں تھیں۔ ایک مرتبہ جب یہ نظریات عوام تک پہنچ گئے تو ان سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ان مباحث کی وضاحت بھی ضروری تھی۔

علاوہ ازیں، حضرت گیسو درازؒ کو جن لوگوں میں کام کرنا پڑا تھا، ان کا تمدنی، ذہنی، سماجی پس منظر بہت مختلف تھا۔ ان میں صوفیاء بھی تھے، علماء بھی دستار بندان بھی، برہمن بھی، جوگی بھی، اور مقامی قبائل کے لوگ بھی۔ غرض ہر ذہنی سطح اور فکری معیار کے لوگ شامل تھے۔ ان سے گفتگو کرنے کے لیے ایک طرف دیگر مذاہب اور طریقہ ہائے فکر سے براہ راست واقفیت ضروری تھی تو دوسری طرف تخاطب کے مختلف انداز و معیار بھی ضروری تھے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ خود لکھتے ہیں:

''ہمت و غیرت جائز نہیں رکھتی کہ بلا تمیز اہل و نااہل، کلام کیا جائے۔'' (خاتمہ)

سنسکرت زبان اور قدیم ہندوستانی تہذیب سے ان کو براہ راست آگاہی تھی۔ فرماتے ہیں:

''من کتاب سنسکرت ایشاں خواندہ ام و افسانہ ہائے ایشاں می دانم'' (جوامع الکلم)

ان حالات میں کوئی تعجب نہیں کہ انھوں نے دکھنی اور قدیم اردو میں اپنے خیالات کا اظہار ضروری سمجھا ہو۔ ان کی جو تصانیف ضائع ہوگئیں، ان کی تعداد اُن سے کہیں زیادہ ہے، جو دستیاب ہوتی ہیں۔ وہ عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر، سنسکرت سے واقف اور دکھنی زبان میں بول چال کی قابلیت رکھتے تھے۔ ان کی شرحوں کے مطالعہ سے یہ احساس محکم ہو جاتا ہے کہ یہ کتابیں محض شرحیں نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اس Framework میں بہت سے نئے افکار و نظریات پیش کیے ہیں۔ ان کی فطرت کی Originality یہاں نمایاں نظر آتی ہے۔

۵۔ حضرت گیسو درازؒ کی ذات چشتیہ سلسلہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کی مکمل آئینہ دار تھی۔ علمی اور اکتسابی پہلو سے قطع نظر، ان کی رگ رگ میں مشائخ سلسلہ کی محبت اس طرح سما گئی تھی۔

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

ان کے باپ اور نانا دونوں حضرت محبوب الٰہیؒ کے دامن تربیت سے وابستہ رہے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے محبت ان کو ورثہ میں ملی تھی اور خون زندگی کی طرح ان کی رگوں میں دوڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی جتنی مکمل دلکش اور جیتی

© https://www.khwajahasannizami.life

جاگتی تصویر ان کے ملفوظات میں ملتی ہے، کسی دوسری تصنیف یا ملفوظ میں نہیں ملتی۔

اس فکری اور سماجی پس منظر میں چشتیہ سلسلہ کے بنیادی اصولوں کو، جو تصور دین، سماجی خدمت اور اخلاق اصلاح وتربیت سے متعلق تھے، حضرت گیسو درازؒ نے غیر معمولی روحانی بصیرت کے ساتھ پھیلایا۔

مشائخ چشت کے سماجی اور اخلاقی نظریات کی پرورش ان کے تصور دین اور نظریہ کائنات کے سایہ میں ہوئی تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت دو طرح کی ہوتی ہے، لازمی اور متعدی۔ روزہ، نماز، حج وغیرہ لازمی عبادت ہے، اس کا فائدہ کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے۔ عبادت متعدی یہ ہے کہ دوسری کی چارہ سازی کی جائے، ان کے دکھ درد میں مدد کی جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ عبادت متعدی کا ثواب عبادت لازمی سے زیادہ ہے۔ چشتیہ سلسلہ کی تاریخ میں یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ عبادت کے اس انقلابی تصور نے انسانی فکر وعمل کی دنیا کو صرف وسیع سے وسیع تر ہی نہیں بنایا، بلکہ اس میں زندگی کی ایک نئی لہر، عزم کی ایک نئی تپش، اور مقصد کا ایک نیا ولولہ بیدار کر دیا۔ مذہب کا کوئی مقصد اور عبادت کا کوئی تصور اس طاعت متعدی سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اس سے چشتیہ سلسلہ کے نظام میں مقصدیت کی وہ قوت اور افکار کی وہ بلندی پیدا ہوئی، جس نے قلوب انسانی کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے میں مدد دی اور اجتماعی زندگی کے لیے یہ فوز وفلاح کی ایک بشارت بن گیا۔ چشتیہ سلسلہ کے اعتقاد وعمل کی ساری عمارت اسی اصول پر قائم تھی کہ دلنوازی مخلوق ہی کے ذریعہ خالق کائنات تک رسائی ہو سکتی ہے۔ خدا سے محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے۔ کسی دل کو راحت پہنچانا، اعلیٰ ترین عبادت ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است

خواجہ اجمیریؒ سے ایک بار پوچھا گیا کہ بہترین عبادت کیا ہے؟ فرمایا:

''در ماندہ گان را فریاد رسیدن، وحاجت بے چار گان روا کردن وگرسنگان را سیر گردانیدن۔''

(سیر الاولیاء، ص ۴۶)

''مظلوموں اور عاجزوں کی فریاد کو پہنچنا، ضعیفوں اور بیچاروں کی حاجت روائی کرنا، بھوکوں کا پیٹ بھرنا۔''

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دمشق میں ایک وقف تھا، جس کی آمدنی صرف ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے میں صرف کی جاتی تھی۔ مشائخ چشت کی زندگیاں خود اس طرح کا وقف بن گئی تھیں۔ گریباں کا چاک ہو یا ٹوٹا ہوا دل، وہ سینے اور جوڑنے کو مقصد حیات سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں ساری مخلوق اللہ کا کنبہ تھی اور ان کا یقین تھا کہ ؎

چیست انسانی تپیدن در غم ہمسایگان
از سموم نجد در باغ پژماں شدن

کسی شخص نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے متعلق یہ کہہ دیا کہ ان کو زندگی میں بڑا اطمینان اور آسائش حاصل ہے۔ شیخ نے سنا تو درد بھرے لہجہ میں فرمایا:

''جس قدر غم واندوہ مجھے رہتا ہے کسی کو اس جہاں میں نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ ان سب کا بوجھ میرے دل اور جان پر پڑتا ہے۔ آں ہمہ بر دل وجان من نشیند''

اُن کی زندگی کے شب و روز اس قلبی کیفیت کی تائید کرتے تھے۔ سحری کے وقت لقمے اُن کے حلق میں اس خیال سے اٹکنے لگتے تھے کہ دہلی میں اس وقت کچھ لوگ بازاروں اور دکانوں کے چبوتروں پر بھوکے سوئے ہوئے تھے۔ حضرت گیسو درازؒ نے خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی خدمت کرنا اپنی زندگی کا مشن بنالیا

تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے، لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے، لکڑی خود تو جلتی ہے، لیکن اوروں کو راحت پہنچاتی ہے۔ اسی طرح خود انسان تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے۔''

خدمت خلق کے اس تصور کے پیچھے مشائخ چشت کا یہ نظریہ بھی تھا کہ انسان اس کرۂ ارضی پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ ''تخلقو باخلاق اللہ'' اللہ ہی کے ذریعہ وہ اس نیابت خداوندی کی ذمہ داریاں پوری کرسکتا ہے۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں جمع ہوگئیں، وہ اللہ کا دوست بن گیا:

اول سخاوتے چوں سخاوت دریا، دوم شفقتے چوں شفقت آفتاب، سیوم تواضع چوں تواضع زمین۔

(سیر الاولیاء، ص ۴۶)

دریا جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت، زمین کی سی تواضع۔

کہ ان کی فیاضیاں اور گرم گستریاں اپنے اور پرائے کا فرق نہیں کرتیں اور ہر کس و ناکس کے لیے عام ہیں۔ دریا کی سخاوت کسی کی تشنگی پر چشم پوشی نہیں کرتی، بادل اٹھتے ہیں تو چمن و صحرا، سب کا دامن بھر دیتے ہیں، سورج نکلتا ہے تو امیر، غریب، عاصی و عابد سب کے لیے یکساں اجالے کا پیغام لاتا ہے۔ زمین کا دامن ہر ذی روح کے لیے کھلا رہتا ہے۔ جب تک انسان ''ربوبیت'' کے ان مظاہر کو اپنی زندگی کا رہبر نہ بنائے گا، اس دنیا میں فوز و کامرانی کے الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوں گے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی مجلسوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ وہ بغیر مہمان کو شریک کیے، کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے تھے۔ بعض اوقات مہمان کی تلاش میں دور تک نکل جاتے۔ ایک بار ایک مشرک شریک طعام ہوا۔ انھیں اس کو کھانا کھلانے میں تامل تھا۔ وحی نازل ہوئی: ''اے ابراہیم! ہم اس شخص کو جان دے سکتے ہیں اور تو روٹی نہیں دے سکتا'' جب شان ربوبیت رزق کی تقسیم میں کوئی تفریق پسند نہیں کرتی تو پھر انسانی رشتے کیوں تنگ دلی اور تنگ نظری کا شکار ہوں۔ اقبال نے ان اشعار میں چشتیہ سلسلہ کے اس مسلک کی ترجمانی کردی ہے۔

حرف بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خداست
آدمیت، احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر مومن شفیق

۶۔ بنی نوع انسان سے ہمدردی کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ سیرت سازی کا کام جو حقیقت میں ''آدم گری'' ہے، پورے خلوص اور انہماک سے انجام دیا جائے۔ وہ بڑے رنج کے ساتھ یہ محسوس کرتے تھے کہ انسان بڑھتے اور انسانیت گھٹتی جاتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اس کام میں اس طرح لگا دیں کہ ان کی خاموش زندگیاں بھی پکار اٹھیں۔

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

حضرت گیسودرازؒ کی ۱۰۵ سالہ زندگی اس مسلک پر عمل میں گزری۔ انھوں نے ''آدم گری'' کا کام جس طرح انجام دیا، وہ ہندوستان کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔

چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کی ہدایت تھی کہ انسان کو نیک و بد سب کے ساتھ نیکی کرنی چاہیے۔ انتقام کا جذبہ سماجی تعلقات کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ بُرا کہنا بُرا ہے، بُرا چاہنا اس سے بھی زیادہ بُرا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی میری راہ میں ایک کانٹا رکھے اور میں اس کے جواب میں ایک دوسرا کانٹا رکھ

© https://www.khwajahasanizami.life

دوں تو وہ کانٹے ہو گئے۔ اس طرح انسانی زندگی میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ انسان کی بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینا چاہیے۔ اس طرح انتقامی جذبے سرد پڑ جاتے ہیں اور یگانگت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد او را یار باد
و آنکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ اُو در راہ ما خارے نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشکفد بے خار باد

جو شخص کانٹے بچھانے والے کو دعا دے کہ اس کی زندگی میں جو پھول کھلے، وہ بے خار ہو، اس کی وسعت قلب کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت گیسودرازؒ کے مرشد حضرت چراغ دہلویؒ نے چشتیہ سلسلہ کے اس اخلاقی اصول پر اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ ایک قلندر دوپہر کو کسی طرح موقع پا کر اُن کے حجرہ میں گھس گیا اور چاقو سے ہاتھوں پر وار کرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ اُن کی انگلیاں اس طرح زخمی ہو گئیں کہ پھر تمام عمر اپنے ہاتھ سے قلم نہ پکڑ سکے، لیکن قلندر کو روپیے اور گھوڑا دے کر شہر سے نکل جانے کی ہدایت کی، مبادا کوئی اس کا انتقام لینے کی کوشش کرے۔ اخلاق کے اس معیار نے چشتی مشائخ کی زندگیوں میں عجیب دلکشی اور دلنوازی پیدا کر دی تھی۔ برونل کا کہنا ہے کہ سچی محبت محبت جانوروں تک کو متاثر کرتی ہے، انسان تو پھر انسان ہے۔

ان اخلاقی اور سماجی تصورات کے پیچھے مشائخ کا نظریۂ عشق بھی کارفرما تھا۔ تصوف میں عشق نہایت جامع لیکن بے حد نازک تصور ہے۔ یہ جذبات کی بوالہوسی نہیں، بلکہ عفت قلب و نگاہ کا وہ نقطۂ عروج ہے، جہاں انسان کائنات ہستی کے راز سے واقف ہو کر مقصد حیات کو پورا کرتا ہے۔ اس کی فطرت خالق کائنات سے سرگوشیاں کرتی ہے۔ ''مظاہر القدس'' میں حضرت گیسودرازؒ نے عشق کے اسی تصور کو نگاہ کا دھوکا بتایا ہے۔ [illegible] علامہ علامہ بحث کی ہے۔ تقریباً اسی زمانہ میں محمد اکبر الہ آبادی نے رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب لکھا تھا، اس میں جذبات کی وہ تپش نہیں جو مظاہر القدس کی جان ہے۔ جب انسان وجدان روحیت سے اپنے قلب و عمل کا آب و رنگ لے کر کائنات عشق پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ہر طرف Cosmic کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اسرار الاسرار میں عشق کی ہمہ گیری کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''نبودے گر عشق نبودے فلک نہ گردیدے دگر
عشق نبودے دریا نہ شوریدے، دگر عشق نبودے باراں
باریدے، اگر عشق نبودے جزر و مد نہ دیدے.....''

اسی طرح چلے جاتے ہیں تا آنکہ پکار اٹھتے ہیں:

گر عشق نبودے جمال اللہ را کے ندیدے (ص ۱۷)

اُن کے نزدیک عشق ایک ایسی قوت ہے جس سے اس دنیا کا نظام اور عالم روحانی کی کشش اور کشمکش وابستہ ہے۔ جس دل میں عشق الٰہی کی چنگاری فروزاں ہو جائے، وہ اپنے رب کی پوری مخلوق پر شفقت اور محبت کے سوا کسی دوسرے تعلق کو روا رکھ ہی نہیں سکتا۔ مظاہر القدس کے بعض حصے پڑھ کر تو بے اختیار اقبال کے یہ اشعار زبان پر آ جاتے ہیں۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات، عشق سے نار حیات

یہ عشق بے اختیار اقبال کی زبان سے کہلوا دیتا ہے۔

اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو، تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

مشائخ چشت نے روحانی دنیا میں نظریہ ارتقاء کی جلوہ گری دکھائی ہے اور بتایا ہے۔

کے نظر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

سائنس نے جب کل انسانی کے ارتقاء کی منزلیں تو دریافت کرلیں اور تدریجی تغیر کے عالم گیر قانون کا پتہ لگالیا، لیکن وہ یہ بتانے سے یکسر قاصر ہے کہ ارتقاء کی یہ زنجیر جب کل انسانی کی کڑی تک پہنچ کر کہاں چلی جاتی ہے اور اس کے بعد ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ بلاشبہ انسانیت کے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد ارتقاء جسمی تو ختم ہوجاتا ہے، لیکن اس کے بعد ارتقاء روحانی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور فکر و ادراک کی بے پناہ قوت پیکر انسانی میں اگلی کڑی تک ابھرنے کی جستجو بیدار کردیتی ہے۔ یہ اگلی کڑی روحانی ہے، جسمانی نہیں۔ اس میں ایک ایسا تخلیقی اصول Creative principle کارفرما ہے، جس کے سہارے انسان زمان و مکان کی تسخیر کرتا ہے اور اس منشاء الٰہی کو پورا کرتا ہوا کہ: ''وسخر لکم ما فی السموات وما فی الأرض جمیعاً منہ'' (سورۃ الجاثیہ)

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو اپنی طرف سے تمھارے لیے مسخر کردیا۔

ارتقاء روحانی کی طرف بڑھتا ہے۔ ان ارتقائی امکانات کا احساس اقبال کے مذہبی وجدان نے اس طرح کیا تھا۔

عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اپنی مجالس میں روحانی جہد و سعی کے لامتناہی امکانات کو اکثر لیکن اجمالاً بیان کرتے تھے، حضرت گیسو درازؒ نے نہایت دلکش انداز میں اس پر گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان ارتقاء روحانی کی راہ پر کس طرح گامزن ہوسکتا ہے۔ قرآن پاک کے اس اعلان پر مشائخ چشت کا محکم ایمان تھا:

''یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتو العلم درجٰت واللہ بما تعملون خبیر'' (سورۃ المجادلۃ)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حق حاصل کیا سو اللہ تعالیٰ اُن کے مدارج کو ترقی دیتا ہے اور ارتفاع بخشتا ہے۔

مشائخ چشت نے اللہ کی مخلوق کو ''ارتفاع روحانی'' کی راہ دکھانے میں خود بڑی بڑی صعوبتیں برداشت کیں۔ بقول حالی

سرخ رو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

(ماخوذ از منادی ۱۹۸۹ء)

تذکرۂ نظامی

مختصر سوانح حیات، تعلیمات

اعمال و وظائف

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ

قیمت :-/30 روپے

ناشر

خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔ 110013

© https://www.khwajahasanizamilife

سلطان المشائخ کے
آخر عمر کے مجاہدوں اور طور وطریق کے بارے میں

مصنف: حضرت سید محمد مبارک علوی کرمانیؒ ——— ترجمہ: حضرت مولانا اعجاز الحق قدوسیؒ

مجاہدوں کی تفصیلات

غذا: کاتب الحروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ ایام جوانی میں تیس سال تک سلطان المشائخ نے سخت مجاہدات کیے تھے۔ اُن میں سے کچھ اس کتاب (سیر الاولیاء) میں تحریر کیے گئے ہیں اور دوسرے تیس سال میں آخر عمر تک اُس ذات ستودہ صفات نے اُس سے بھی زیادہ سخت مجاہدات کیے، باوجود فتوحات واقبالِ دنیوی کے وہ بندوں کی بندگی سے مبرّا و پاک وصاف تھے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان المشائخ کی عمر اسّی سال کی تھی۔ آپ پانچوں وقت نماز کے لیے جماعت خانے کے بالا خانے سے، جو بہت بلندی پر واقع تھا، نیچے اُترتے تھے اور درویشوں اور عزیزوں کے ساتھ جو اس ملکوتی صفات مجمع میں حاضر ہوتے، نماز ادا فرماتے۔ یہ سب لوگ سلطان المشائخ کے وسیلے سے بہشت کے مستحق ہوتے تھے اور اس کبرسنی کے باوجود صوم دائمی رکھتے تھے۔ روزہ کم افطار کرتے تھے۔ افطار کے وقت ہلکی غذائیں کھاتے تھے۔ روٹی یا نصف روٹی سبزی یا کریلے کے ساتھ یا تھوڑے سے چاول کھاتے تھے۔ یہ کھانا بھی عزیزوں، درویشوں اور مسافروں کے سبب سے ہوتا تھا اور جب تک بھی آپ دستر خوان پر رہتے، خود بھوکے رہ کر اور دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے اور حاضر دستر خوان میں سے جس پر شفقت فرماتے، اس کو اپنی رکابی میں سے خاص نوالہ عطا فرماتے۔ یہ سعادت جس کا مقدر ہوتی اس کو حاصل ہوتی تھی۔

نظام الاوقات: مولانا شمس الدین یحییٰ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کے دستر خوان پر حاضر تھا۔ افطار کے وقت میں نے سلطان المشائخ کو دیکھا کہ آپ نے لقمہ کے لیے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ آپ کا ہاتھ اُس وقت تک پیالے ہی میں رہا، یہاں تک کہ دستر خوان بڑھانے کا وقت ہوگیا، لیکن ہاتھ پیالے سے اُٹھ کر منہ تک نہ جاسکا۔

الغرض افطار کے بعد آپ بالا خانے پر تشریف لے جاتے جہاں آپ کی سکونت تھی۔ وہ مرید ومعتقد اور عزیز جو شہر اور اطراف شہر سے آپ کی ملاقات کے لیے آتے، اُنھیں مغرب اور عشا کی نماز کے درمیان بلایا جاتا۔ تھوڑی دیر وہ آپ کی مجلس کی سعادت اور شرفِ دیدار سے مشرف ہوتے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

طوبیٰ لاعین قوم انت بینھم
فھن من نعمة من وجھك الحسن

(اُس قوم کی آنکھیں قابلِ مبارک باد ہیں کہ جن کے درمیان تو ہے، کیونکہ وہ آنکھیں تیرے حسین چہرے کے جمال سے فیض یاب ہورہی ہیں۔)

اس مجلس کے موقع پر خشک اور تر میوے اور کھانے پینے کی لطیف ولذیذ چیزیں اس مجلس میں پیش کی جاتیں، حاضرینِ مجلس تناول کرتے اور آپ اُن سب کی خاطر ومدارات فرماتے اور ہر ایک کے حالات پوچھتے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ سلطان المشائخ ان دنیوی نعمتوں سے حظ حاصل کرتے ہیں، لیکن یہ الوانِ نعمت

اس لیے لائی جاتی تھیں تاکہ عزیزوں اور شہر کے غریبوں کی دل داری ہو۔

امیر خسرو کا شرف: جب سلطان المشائخ عشا کی نماز با جماعت پڑھ لیتے تو پھر بالا خانے پر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ جب آپ آرام کے لیے چارپائی پر بیٹھتے، اُس وقت تسبیح لائی جاتی اور آپ کے ہاتھ میں دی جاتی۔ اُس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے پاس جائے۔ امیر خسرو ہر قسم کی خبریں اور قصے آپ کو سناتے۔ سلطان المشائخ امیر خسرو کی دل داری کے لیے سرِ مبارک ہلاتے جاتے۔ کبھی کبھی خود پوچھتے کہ 'ترک! کیا خبریں ہیں؟ امیر خسرو اس بات کو سن کر اپنے لیے گفتگو کا میدان وسیع پاتے۔ مثلاً اگر آپ نکتہ پوچھتے تو یہ فصل کی فصل پیش کر دیتے۔ اس موقع پر بعض چھوٹے عزیز اور بعض مولیٰ زادے جو مقام رکھتے تھے، حاضرِ خدمت ہوتے اور قدم مبارک کو سر اور آنکھوں سے ملتے۔ امیر خسرو کہتے ہیں:

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پایت نہد بخواب شود

جب امیر خسرو اور دوسرے چھوٹے قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے باہر واپس آجاتے، تو اقبال خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سلطان المشائخ کے وضو کے لیے پانی کے چند لوٹے بھر کر رکھ دیتے اور واپس چلے آتے۔

اس کے بعد سلطان المشائخ خود اُٹھ کر دروازے کی زنجیر لگا دیتے۔ اُس وقت سوائے خدا کے کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ ہوتا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز اور کیا ذوق و شوق آپ کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہوتے تھے۔ یہ شعر بارہا سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک پر آتا تھا:

عشقے کہ زتو دارم اے شمع چگل — دل داند و من دانم و داند دلِ من

میں نے یہ قطعہ سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے:

تنہا منم و شب و چراغے — مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش ز آہِ سرد بکشم — گاہ از تفِ سینہ بر فروزم

نیز یہ شعر بھی آپ کی زبان پر آتا تھا:

یارے بتماشائے من و شمع بیا
کز من دمکے نماند و ازوے دودے

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

شبہا من و شمع می میگدازیم
این ست کہ سوزِ من نہان است

ایک مبارک رات: مولانا بہرام جو شیخ نجیب الدین متوکل کی اولاد میں تھے اور استعداد و قابلیت سے متصف تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک وقت سلطان المشائخ کو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کی زیارت میں مشغول دیکھا۔ ملاقات کے موقع پر سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ آج رات مجھے دکھایا گیا ہے کہ اے نظام! جس مومن نے تجھے دیکھا ہے، میں نے اس کو بخش دیا۔

کاتب الحروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ:

انی بلغت ھذہ اللیلۃ اربعین سنۃ فاستحیت من سنّی ذکرنی ذباباً۔

(میں اس رات کو چالیس سال کا ہو گیا ہوں۔ اپنی چالیس سالگی سے مجھے شرم آتی ہے۔ جب مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے ایک مکھی کے پر کے برابر یاد کیا جاتا ہے۔)

کاتب الحروف کا گمان یہ ہے کہ اُس رات سلطان المشائخ کو اس کرامت سے مفتخر کیا گیا، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ وہی رات ہے جس کا ذکر سلطان المشائخ نے اپنے مبارک قلم سے عربی زبان میں لکھا ہے۔ اُسی شب میں سلطان

المشائخ اس کرامت سے مشرف ہوئے اور اس درجۂ عالی پر فائز ہوئے کہ آپ کے دیکھنے والے کی بخشش ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سلطان المشائخ کی بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض تھی کہ مجھے اپنی اسی عمر سے شرم آتی ہے کہ جس میں مجھے مکھی کے پر کے برابر یاد کیا گیا ہے۔

اگرچہ سلطان المشائخ کی ہر رات شب قدر تھی، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات سلطان المشائخ اسرارِ الٰہی کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول تھے اور اپنے قلم مبارک سے اُن معانی کو جن کا عالمِ غیب سے الہام ہو رہا تھا، ضبطِ تحریر میں لا رہے تھے کہ اچانک قلم آپ کے دستِ مبارک سے نکل کر نوک کے بل زمین پر کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عظمت و تقدس کو سجدہ کیا۔ سلطان المشائخ نے اس علامت سے پہچانا کہ یہ رات شب قدر ہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے:

امشب شبِ قدر تست بشتاب
قدرِ شبِ قدر خویش دریاب

خواجہ سالار مہین، جن کا تذکرہ ''نکتۂ مناقب یاراں'' میں تحریر کیا گیا ہے، بیان کرتے ہیں کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب رات کا آخری حصہ ہوتا ہے کوئی شعر عالمِ غیب سے میرے دل میں آتا ہے، جس پر میں خوش ہوتا ہوں۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

چنداں بنشینم کہ بر آید نفسِ صبح
کاں وقت بدل میرسد از دوست پیامے

امیر خسرو نے سلطان المشائخ کی مدح میں کیا اچھا کہا ہے:

قطعہ

نے ز ابرار دیدہ کس علمش نے ز ابدال یافتہ بدلش
ہر شبش ز اوجِ عالم اسرار صبح دولت دمیدہ در شبِ تار

چنانچہ آج رات میرے دل میں یہ اشعار آئے:

ور نمانیم عذرِ ما بپذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است
گر بمانیم زندہ بردوزیم دامنے کز فراق چاک شدہ است

جب دوسری بار یہ شعر میں نے پڑھنے شروع کیے کہ اچانک میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ میرے پاس آئی اور اس نے نہایت عاجزی سے کہنا شروع کیا کہ آپ کو یہ اشعار نہیں پڑھنے چاہئیں۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہوگی۔ ایک مرید قاضی شرف الدین نے، جس کو فیروز گہہ بھی کہتے تھے، عرض کیا کہ مخدوم! یہ ارشاد فرمائیے کہ یہ واقعہ حقیقت میں پیش آیا یا خواب میں۔ فرمایا، یہ واقعہ اس طرح پیش آیا جیسے میں اور تم بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کا اس سے مطلب بیداری تھا۔ بعدہ قاضی شرف الدین نے عرض کیا کہ یہ دنیا ہے، جو آپ سے جانا نہیں چاہتی۔ سلطان المشائخ نے اُن کی یہ بات سن کر اُن کی تعریف فرمائی۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب سحری کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور دروازے کو کھٹکھٹاتا۔ سلطان المشائخ دروازہ کھولتے۔ ہر قسم کا کھانا آپ کے سامنے لایا جاتا۔ آپ اُس میں سے تھوڑا سا تناول کر کے باقی کے لیے فرماتے کہ چھوٹوں کے لیے محفوظ رکھو۔ سحری کے کھانے لانے کی خدمت خواجہ عبدالرحیم کے سپرد تھی۔ خواجہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سلطان المشائخ سحری بالکل تناول نہ فرماتے۔ میں عرض کرتا کہ مخدوم! آپ افطار ہی میں بہت کم کھاتے ہیں، اگر سحر میں بھی آپ کچھ نہ کھائیں گے تو ضعف زیادہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر آپ رونے لگتے اور فرماتے، کتنے مسکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقے سے سو رہے ہیں۔ یہ کھانا میرے حلق میں کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ کھانا اُسی طرح اُٹھا لیا جاتا۔ جب صبح ہوتی تو جس کی نظر سلطان المشائخ کے جمال مبارک پر پڑتی تو وہ خیال کرتا کہ شاید یہ سرمست ہے۔

رات کی بیداری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ یہ ضعیف کہتا ہے کہ:

شکار چشم تو جاں ہا بیک بار
اسیر زلف تو دلہا بہر تار
خیال زلف تو خواب از سرم برد
دو چشم مست تو خون دلم خورد

باوجود اس قدر سخت مجاہدے کرنے کے کوئی کمزوری آپ کے وجود مبارک میں ظاہر نہ ہوتی تھی اور شکل وصورت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ چار سو پانسو نفلیں اور اس قدر کثیر تعداد میں تسبیحیں پڑھتے ہیں، مگر آپ کی ساری عمر عزیز باطنی مشاغل میں اور (شکستہ) دلوں کے (حالات) دریافت کرنے میں صرف ہوئی، جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے واقعتاً ایک کتاب دی گئی، جس میں لکھا ہوا تھا کہ دلوں کو راحت پہنچاؤ، کیوں کہ مومن کا دل محل اسرار ربوبیت ہے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

میکوش کہ راحتے بجانے برسد یا دست شکستۂ بنانے برسد

فرماتے تھے کہ بازارِ قیامت میں کسی سامان کی اتنی پرسش نہ ہوگی جتنی شکستہ دلوں کو راحت پہنچانے کی۔

الغرض جب دن ہو جاتا تو تمام دن آپ مشائخ کبار کے سجادے پر قبلہ رو ہو کر بیٹھتے اور شغل باطنی میں اس طرح حق تعالیٰ کی طرف مشغول رہتے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ مختلف گروہوں اور طبقوں کے لوگ علماء، مشائخ، صدور اور بڑے اور چھوٹے، شریف اور کمینے غرض کہ ہر قسم کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ہر شخص سے اس کے فن، علم اور مرتبے کے مطابق نہایت شفقت سے گفتگو فرماتے۔ اس کا حال اور خیریت پوچھتے۔ بظاہر آنے والوں سے گفتگو میں مشغول رہتے، لیکن باطناً پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے۔ اپنے وقت کی ولیہ رابعہ عدویہ نے ان اشعار میں اس مفہوم کو کتنے اچھے طریقے پر منظوم کیا ہے:

انسی جعلتك فی الفواد محدثی
ویحب جسمی من اراد جلوسی
فالجسم منی للجلیس موانس
وحبیب قلبی فی الفواد انیسی

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

ہرگز وجودِ حاضر و غائب شنیدۂ
من درمیان جمع ودلم جائے دیگر است

ہر آنے جانے والا خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شہر کا ہو یا مسافر، جو کوئی بھی آتا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا آپ کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔ کپڑے، جیتل، تحفے اور ہدیے، جو آپ کو عالمِ غیب سے پہنچتے، وہ تمام کے تمام ان آنے جانے والوں میں تقسیم فرما دیتے اور جو کوئی بھی آتا اور جس وقت بھی آتا، بلا توقف اُسی وقت اُسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

منقول ہے کہ ایک وقت سلطان المشائخ حجرے میں قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا۔ چونکہ گھر میں کوئی چیز موجود نہ تھی، اخی مبارک نے اُس درویش کو خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ عین اُسی وقت سلطان المشائخ نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کو خواب میں دیکھا۔ خواب ہی میں سلطان المشائخ نے آدابِ خدمت بجالانے چاہے۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا، اگر تمہارے گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے تو آنے والے کی بقدرِ استطاعت خاطر تواضع واجب ہے۔ یہ کہاں آیا ہے کہ ایسے خستہ دلوں کو یوں لوٹا دیا جائے۔ جب آپ قیلولے سے اُٹھے تو آپ نے فوراً اخی مبارک خادم کو طلب کیا اور اُن سے چھان بین کی کہ کون آیا تھا۔ جب سلطان المشائخ کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو سلطان المشائخ نے

اخی مبارک کو تعجیہ کی اور اُن سے کہا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم کو خواب میں دیکھا۔ آپ اس بات پر مجھ سے ناراض تھے۔ آئندہ اگر میں قیلولے میں بھی ہوں تو مجھ کو اطلاع دو۔

بعدہٗ، سلطان المشائخ کا یہ معمول تھا کہ جب قیلولے سے بیدار ہوتے تو پہلے یہ دو باتیں پوچھتے۔ پہلی بات یہ کہ سایہ ہو گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ کوئی آنے والا تو نہیں آیا، جو میرا انتظار کر رہا ہو۔

جب نماز ظہر کا وقت ہو جاتا تو ظہر کی نماز ادا فرمانے کے بعد وہ عزیز، جو قدم بوسی کے لیے پہنچ جاتے، سلطان المشائخ ان کو بلواتے، اپنے پاس بٹھاتے اور ان کی دل داری فرماتے اور اُن کی طریقۂ عبادات و سلوک اور محبت حق جل و علیٰ میں رہنمائی فرماتے۔

بڑے بڑے علماء، عابد و زاہد، جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ سر اُٹھا کر آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ سکے، اس لیے کہ حق تعالیٰ کی عظمت سلطان المشائخ پر مستولی تھی، جو کچھ سلطان المشائخ فرماتے تھے وہ سب کے سب سر زمین پر رکھ کر اس کو قبول کرتے۔

مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا بیان ہے، وہ فرماتے تھے کہ جس وقت ہم سلطان المشائخ کی مجلس میں موجود ہوتے، ہماری یہ مجال نہ تھی کہ ہم سر اُٹھا کر روئے مبارک کو دیکھ سکیں۔ ہم لوگ سر نیچے کیے ہوئے، جو کچھ فرمان ہوتا سر زمین پر رکھ دیتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں:

خوبان بیادہ خوردن من جرعہ خوارِ ایشاں
ہر جرعۂ کہ خوردہ سر بر زمیں نہادہ

اگر کوئی علمی بات چھڑتی یا کسی علمی مسئلے میں کوئی مشکل پیش آجاتی، تو حاضرینِ مجلس کو باطنی نور سے علم لدنی کی بنا پر ایسا جواب شافی عطا فرماتے کہ وہ آپ کی حسنِ تقریر سے متاثر ہو کر حیرت میں پڑ جاتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ آپ کا یہ جواب کتابی نہیں ہے۔ اس کی بنیاد الہام ربانی اور علم لدنی پر ہے۔ اسی وجہ سے شہر کے بڑے بڑے عالم، جو اہل تصوف سے تعصب اور عناد رکھنے میں مشہور تھے، آپ کے غلام ہو گئے تھے۔ انھوں نے سروری کے سودائے خام کو اپنے سر سے نکال دیا تھا اور آپ کے آستانے پر سر جھکائے ہوئے تھے۔

نذر و فتوح کے اسباب اور شاہانِ وقت کے سلطان المشائخ کے دروازے پر بلور فقیر، گدائی کے لیے آنے کے بیان میں

امیر خسرو سلطان المشائخ کی مدح میں کہتے ہیں:

در حجرۂ فقر بادشاہی — در عالمِ دل جہاں پناہی
شاہنشہِ بے سریر و بے تاج — شاہانش بخاک پائے محتاج

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

شدہ بیش در کاہش اندر زنیش — مغاک از لب تاجداران کشود

کاتب حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ جب عالم غیب سے فتوح کے دروازے سلطان المشائخ پر کھلے اور دنیا نے چاروں طرف سے سلطان المشائخ کا رخ کیا، در آں حالیکہ سلطان المشائخ ان تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک تھے اور آپ کو محبت باری تعالیٰ نے اس طرح گھیر لیا تھا کہ کسی چیز کی آپ کو پروا نہ تھی۔ شیخ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے:

چناں برائے تو آشفتہ ام بروئے تو مست
کہ نیستم خبر از ہر کہ در دو عالم ہست

اور اقبال دنیوی کے حاصل کرنے سے آپ کا حق پذیر دل بالکلیہ متنفر تھا۔ ہمیشہ روتے رہتے۔ اگر کسی وقت فتوحات زیادہ آجاتیں تو آپ کے رونے میں اضافہ ہو جاتا اور آپ اس کی کوشش فرماتے کہ یہ جلد از جلد تقسیم ہو جائیں اور گھڑی گھڑی کسی کو بھیجتے رہتے کہ دیکھ کر آؤ کہ وہ فتوحات تقسیم ہو گئیں یا نہیں۔ جب آپ کو

معلوم ہو جاتا کہ وہ سب تقسیم ہو کر محتاجوں کو پہنچ گئیں، تو اُس وقت آپ مطمئن ہوتے۔

ہر ہفتے تجرید فرماتے یعنی حجروں اور انبار خانوں کو خالی کراتے۔ یہاں تک کہ جھاڑو دے دی جاتی۔ بعد میں جمعہ کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

بادشاہوں کی سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضری اور آپ کی بیزاری: اگر بادشاہ اور شاہزادے سلطان المشائخ کے دروازے پر آتے اور فتوحات لاتے، ان کی آمد کی دھوم دھام آپ کے مبارک کانوں تک پہنچتی تو آپ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے اور فرماتے کہ یہ لوگ درویش کا وقت غارت کرنے کے لیے کہاں آرہے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا اچھا کہا ہے:

تو کہ بر درِ تو کم شد سر و تاجِ بادشاہاں
چہ خیال فاسد است ایں کہ من گدات جویم

ایک روز آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا کہ یہ سب کچھ ان کی برکت سے ہے، جو کچھ میں نے چاہا شیخ شیوخ العالم کی طرف سے مجھے ملا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ جب میں رخصت ہونے لگا تو شیخ شیوخ العالم نے ایک دوکانی غیاثی مجھے سفر خرچ کے لیے دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ کا حکم پہنچا کہ آج میں نہ جاؤں بلکہ کل کو جاؤں۔ چنانچہ میں ٹھہر گیا۔ جب آپ کے افطار کا وقت قریب آیا تو گھر میں افطار کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک دوکانی سکہ مجھے سفر خرچ کے لیے عنایت فرمایا گیا تھا، اگر اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کروں۔ شیخ شیوخ العالم میری یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور میرے لیے دعا فرمائی۔

یہ واقعہ تفصیل سے نکتۂ مجاہدہ شیخ شیوخ العالم میں تحریر کیا گیا ہے۔ الغرض اس کے بعد شیخ شیوخ العالم نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمھارے لیے حق تعالیٰ سے تھوڑی سی دنیا کی درخواست کی ہے۔ شیخ شیوخ العالم کے اس فرمان کو سن کر میں کانپ اُٹھا اور مجھے اس انجام کا خیال آیا کہ افسوس کتنے ہی بزرگ اس دنیا کے سبب سے فتنے میں پڑے ہیں تو میرا کیا حال ہوگا۔ جیسے ہی یہ خطرہ میرے دل میں گزرا، شیخ شیوخ العالم نے فوراً ہی فرمایا کہ مطمئن رہو تم کسی فتنے میں مبتلا نہ ہوگے۔ آپ کے اس تشفی دینے سے میں خوش ہوا۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک رات کے آخری حصے میں میں نے دیکھا کہ جماعت خانے کے صحن میں ایک عورت جھاڑو دے رہی ہے۔ میں نے اس عورت سے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں دنیا ہوں۔ میں مخدوم کے گھر میں جھاڑو دیتی ہوں۔ آپ نے اُسے ڈانٹ کر فرمایا، اے فتنہ پرور! تیرا میرے گھر میں کیا کام، جا میرے گھر سے نکل جا۔ میں ہر چند اُس سے کہتا تھا، مگر وہ جانے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس کی گردن پکڑی اور دروازے کے باہر نکال کر گلی تک چھوڑ آیا، جیسے ہی میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچا وہ بار بار مجھے اپنا چہرہ دکھاتی تھی۔

فرمایا کہ میں بچپن میں بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی سے پڑھتا تھا۔ ایک دن تنہائی میں مسجد میں کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا کئی سنہرے رنگ کے سانپ پھنکارتے ہوئے جا رہے ہیں۔ میں نے انھیں تجربے کے طور پر دیکھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان سانپوں کے آخر میں ایک چھوٹا سا سانپ جا رہا ہے۔ میں نے اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس چھوٹے سانپ پر اپنی پگڑی ڈال دی۔ اب میں نے جو اُس پگڑی کو اٹھا کر دیکھا تو اُس کے نیچے اشرفیوں کا ڈھیر پایا۔ میں نے وہ اشرفیاں وہیں پڑی ہوئی چھوڑ دیں۔

(کتاب سیر الاولیاء سے ماخوذ)

◆◆◆

© https://www.khwajahasanizamilife

صوفیائے عظام کا مشہور و معروف مستند تذکرہ

سیر الاولیاء

جو ایک عرصے سے دستیاب نہ تھا، اب پوری آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آ گیا ہے

۶۵۰ سال سے کچھ پہلے مرتب ہوئے اس منفرد تذکرے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے مصنف

حضرت سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد

حضرت محبوب الٰہیؒ کے زمانے کے ایک نامور اللہ والے تھے۔ اس کتاب میں بالخصوص

سلطان المشائخ اور ان کے جلیل القدر رفقاء و خلفاء

کے سوانحی حالات، ملفوظات، نوشتوں اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے

معارف، تصوف اور تعلیمات کی جس سلیقے سے چمن بندی کی گئی ہے اس نے اسے صوفیائے کرام کے سبھی تذکروں میں ایک نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز تذکرہ بنا دیا ہے۔ گویا یہ بے بہا تصنیف بیک وقت تذکرہ بھی ہے، ملفوظات بھی اور آئین تعلیمات تصوف بھی۔ چشتی نظامی بھائیوں کے لیے بیش بہا تحفہ

جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے

عمدہ سفید کاغذ، دیدہ زیب چھپائی اور پکی جلدوں کے ساتھ

اب سیر الاولیاء اصل فارسی کے علاوہ اردو میں بھی دستیاب ہے

سیر الاولیاء
فارسی
صفحات: ایک ہزار

قیمت: 600 روپے

سیر الاولیاء (اردو)
ترجمہ: اعجاز الحق قدوسی
صفحات: بارہ سو

ملنے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال، بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی۔ 110013

© https://www.khwajahasannizami.life



حضرت فیاض موسم نظامی (صدر محترم جماعت نظامیہ افریقہ)، خواجہ حسن ثانی نظامی و دیگر حضرات

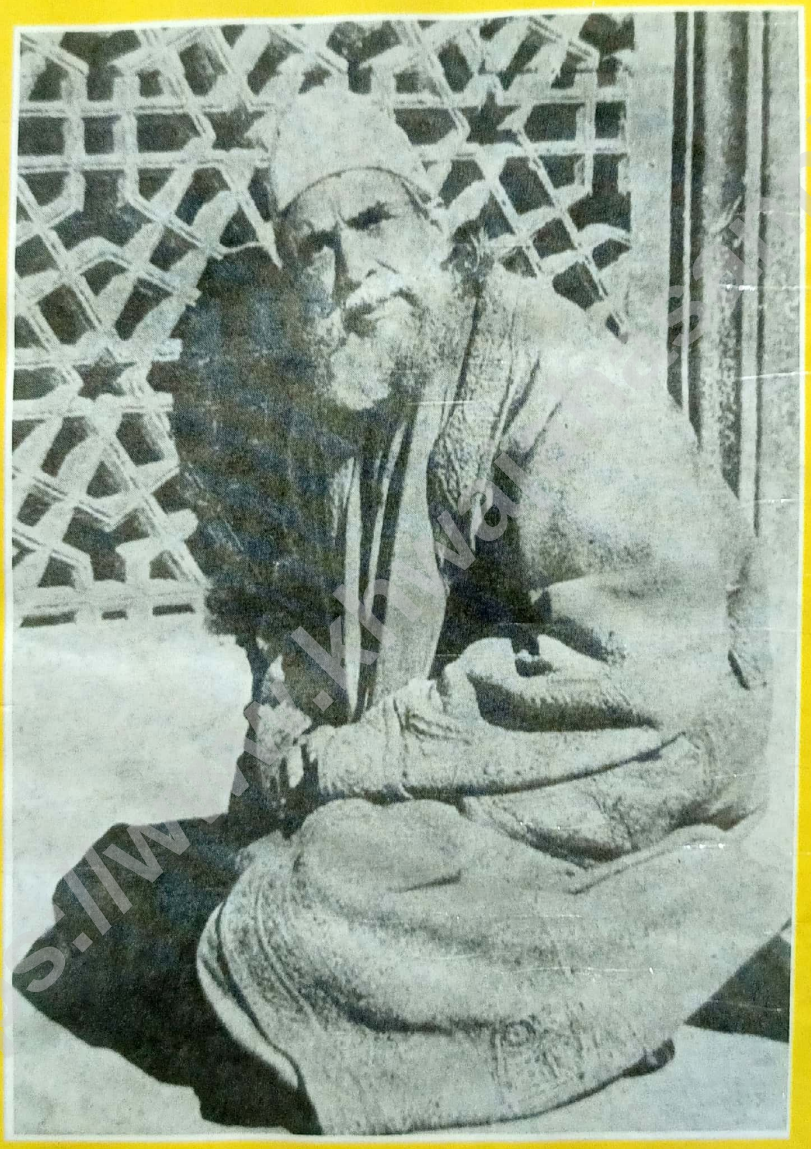
© https://www.khwajahasanzani.life

Postal Regn. No. DL(S)-01/3117/2012-14
RNI No.-793/57

Volume 86 April - 2012 Issue No. 4

THE MUNADI DELHI

Telephone : 24359807



مُصوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

Printer, Publisher & Owner Khwaja Hasan Sani Nizami
Printed at : M.R.Printers, Street Garhiyya, Kucha Chellan, Darya Ganj, New Delhi-110002
Published from Dargah Hazrat Khawaja Nizamuddin Aulia, New Delhi-13

© https://www.khwajahasansaninizami.life